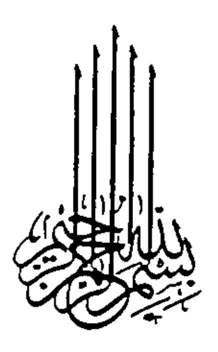
حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

اور اُن کے خلفا

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان. فون ۴۰۵۰۱



حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

اور اُن کے خلفاء

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

اور اُن کے خلفاء

مرتبہ

ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن

ایم اے، ایم او ایل، پی ایچ ڈی

ایم اے عربی، اردو، فارسی، اسلامیات

ناشر

طیب اکیڈمی

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

فون نمبر ۵۴۰۵۱۲-۴۰۵۰۱

فہرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

اور اُن کے خلفاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تذکرہ اسلاف۔۵ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس میں ۳۵ حضرات کے تذکرے ہیں۔ پہلے تذکرہ کے علاوہ باقی ۳۴ تذکرے الفبائی ترتیب کے ساتھ ترتیب دیئے گئے ہیں۔ آخر میں مصادر و ماخذ کی فہرست ہے۔

اس کتاب میں اگر کوئی خامی نظر آئے تو اسے میری طرف منسوب کیجئے اور اگر کوئی خوبی دکھائی دے تو اسے من عند اللہ سمجھئے۔

جن بزرگوں کے تذکروں سے یہ مزین ہے وہ اصحاب کرامت ہی نہیں بلکہ اصحاب استقامت تھے۔ ایسے حضرات کے ذکر سے چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے جو کتاب اس نیت کے ساتھ لکھی گئی ہے اسے اسی جذبے کے ساتھ پڑھا جانا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے بھی قبولیت سے نوازیں اور مسلمان بہن بھائیوں کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

فیوض الرحمٰن


۲ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ : لاہور
کتبہ احقر نفیس رقم

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

۱۸۲۹ - ۱۹۰۵ء

"مشہور محدث مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہیؒ کے فرزند تھے۔ ان کی پیدائش ۶۔ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء کو بروز دوشنبہ بوقت چاشت قصبہ گنگوہ (ضلع سہارنپور) میں شیخ المشائخ حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خانقاہ کے متصل مکان میں ہوئی۔ ان کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت ابوایوب انصاریؓ تک اور دادی کی طرف سے گیارہویں پشت میں قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے مل جاتا ہے۔

ان کے والد مولانا ہدایت احمدؒ ایک جیّد عالم تھے اور طریقت میں حضرت شاہ غلام علی مجدّدی نقشبندی دہلوی سے توسل و تعلق رکھتے تھے، ۱۲۵۲ھ میں مولانا ہدایت احمدؒ کا گھورکھپور میں انتقال ہوگیا۔ رشید احمد کی عمر اس وقت سات سال تھی۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد ان کے دادا نے ان کی تربیت کی۔ ان کی والدہ ایک راسخ العقیدہ، دین دار اور پرہیزگار خاتون تھیں، بچپن ہی سے رشید احمد میں نیکی اور عظمت کے آثار نمایاں تھے، وہ بڑے خوش الحان تھے۔ انہوں نے فارسی کرنال میں اپنے منجھلے ماموں مولوی محمد تقی سے پڑھی جو فارسی کے مسلم الثبوت استاد تھے، فارسی کی تکمیل کے بعد عربی کا شوق ہوا صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں محمد بخش رامپوری سے پڑھیں۔ صرف و نحو کی کتابیں پڑھنے کے بعد انہیں کی ترغیب سے علومِ درسیہ کی تکمیل کیلئے

۱۲۶۱ھ سترہ سال کی عمر میں دہلی گئے۔ اور وہاں مولوی قاضی احمد الدین جہلمی کی شاگردی اختیار کی، اس کے بعد مولانا مملوک العلی نانوتوی کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو اس وقت دہلی کالج (اجمیری دروازہ دہلی) کے مدرس اول تھے ۱۲۶۰ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی مولانا مملوک العلی کے ہمراہ دہلی آ گئے تھے۔ یہ بھی ہم سبق ہو گئے اور آپس میں ایسا تعلق پیدا ہوا کہ آخری وقت تک ہر جد و جہد میں رفیق رہے، دارالعلوم دیوبند کی تاسیس و اہتمام میں بھی باہمی تعاون رہا، انہوں نے مفتی صدرالدین سے بھی اکتساب علم کیا، اور حدیث شاہ عبدالغنی مجددی سے پڑھی، درسیات سے فارغ ہو کر انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔

تحصیل علم کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہ سے تھانہ بھون آئے اور مولانا شیخ محمد تھانوی سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے کچھ عرصے وہیں رہ کر اپنے مرشد کی رہنمائی میں تمام منازلِ سلوک طے کیں اور چاروں سلسلوں کی اجازت و خلافت حاصل کی۔ غلام قادر گرامی نے ان کی شان میں یہ رباعی کہی ہے۔

خاک گنگوہ را نوید ست رشید ۔۔۔ گنجینۂ فقر را کلید ست رشید
امداد اللہ مہاجر مکی را ۔۔۔ اللہ اللہ عجب مرید ست رشید

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء میں وہ تحریک آزادی میں حصہ لینے کے الزام میں گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں رکھنے کے بعد رہا کر دیئے گئے۔ انہوں نے تین مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء تک صرف چند سال چھوڑ کر تقریباً پچاس برس انہوں نے گنگوہ میں تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس دیا اور بڑے بڑے ذی استعداد طلبہ نے ان سے سند حدیث حاصل کی۔

تلامذہ:۔ آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں مولانا سیف الرحمٰن محدث پشاوری، مولانا شاہ رسول محدث مردانی، مولانا عبدالرحمٰن ہزاروی، مولانا شاہ حسین مردانی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی، مولانا ماجد علی جونپوری، مولانا حسین علی میانوالی، مولانا حافظ محمد احمد قاسمی، مولانا سراج احمد رشیدی، مولانا شاہ وارث حسن، مولانا قطب الدین غور غشتوی مولانا صادق الیقین کرسوی، مولانا صابر الدین چکوالی، مولانا عبدالجبار ہزاروی، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا عبدالغفار مئوی اعظم گڑھ، مولانا منہاج الدین ہزاروی، مولانا قاسم یار کرڈوی، مولانا محمد روشن خان مراد آبادی، مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری، مولانا قاضی نور احمد ظفر وال سیالکوٹ، مولانا حکیم محمد اسحاق نہٹوری، مولوی محمد ابراہیم خلف مولوی محمد حسین فقیر دہلوی، حکیم مولوی جمیل الدین نگینوی، مولوی حسین شریف ولایتی، مولوی حکیم نصیر الدین میرٹھی، مولوی احمد شاہ حسن پوری، مولوی حکیم محمد ابراہیم المعروف بہ حیات علی منتھراوی، مولوی امان اللہ کشمیری مولوی عبدالکریم پنجابی، مولوی محمود حسین بریلوی، حکیم عبدالعزیز گلاوٹھی مولوی محمد حسین خان ساکن گڈھی، حکیم مولوی صدیق احمد ساکن گڈھی، مولوی حکیم عبدالوہاب نابینا، مولوی امام الدین گمتھلوی، مولوی محمد حسین مانک پوری، مولوی معشوق علی پوربی، ملا محمد جی بخاری، مولوی صفا احمد غازی پوری، مولانا حامد حسن دیوبندی، مولانا محمد حسن مراد آبادی، مولوی قادر علی مدرس مدرسہ دہلی، مولوی سعد اللہ گنگوہی قاضی سرینگر کشمیر، مولوی حکیم احمد رامپوری، مولوی سعید الدین رامپوری، مولوی رضی الحسن کاندھلوی، حافظ امیر حسن گنگوہی، مولوی مومن علی گنگوہی، پیر جیو

عبدالرزاق گنگوہی، مولوی نذیر احمد انبیٹھوی، مولوی اللہ رکھے انبیٹھوی
مولوی عبدالرحمٰن کرنالی، مولوی فتح محمد تھانوی، مولانا محمود حسن
ساڈھوروی، مولوی امیر حسن انبیٹھوی، مولوی حکیم مسعود احمد،
مولوی محمود احمد، مولوی حافظ ابراہیم، مولوی عبدالرحمٰن، مولوی
الطاف الرحمٰن، مولوی لطف الرحمٰن، مولوی ابوالطیب بن ابوالقاسم
بن مولوی محمد نقی، حکیم اسماعیل گنگوہی، ملا عبدالرزاق قاضی
کابل، مولانا حکیم محمد حسن، مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی، علامہ
عبدالنور سواتی، علامہ محمد حسن سواتی، مولانا غلام رسول ہزاروی
مولوی عبدالمجید ہزاروی، اور مولانا محمد انور شاہ کشمیری خاص
طور پر قابلِ ذکر ہیں۔[1]

۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۵ء کے بعد ان کی بصارت جاتی رہی، پھر وفات تک
درس و تدریس کے بجائے اصلاح باطن اور تربیت مریدین میں مشغول رہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کی زندگی سراپا سنت تھی۔ انہوں نے درس
حدیث نبوی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا، ان کے درس حدیث
سے تین سو سے زائد جید علماء فیضیاب ہوئے، جنہوں نے ملک اور بیرون ملک
میں علم حدیث کی اشاعت کی۔ ان میں بڑے بڑے علماء کے نام شامل ہیں
سلسلۂ طریقت کے خلفاء میں بھی سربرآوردہ علماء کے نام ملتے ہیں، مثلاً

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: "تذکرۃ الرشید: سہارنپور: ۱۹۷۷ء: ص ۱۹۷، ۱۹۸
: فیوض الرحمٰن ڈاکٹر: مشاہیر علماء: لاہور: ۱۹۹۱ء ج ۱: ۱۸۶ تا ۱۸۹
: ″ ″ ″ : حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور انکے خلفاء کراچی:
ص ۲۵ تا ۳۷۔

شیخ الہند محمود حسن دیوبندی (مدرس اول دارالعلوم دیوبند) شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا خلیل احمد انبیٹھوی (مؤلف بذل المجہود شرح ابوداؤد) مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ۔

محمد قاسم نانوتویؒ اور رشید گنگوہیؒ ۱۸۵۷ء میں شاملی اور تھانہ بھون وغیرہ میں جہاد حریت کے علمبردار رہے تھے اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی سرپرستی میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرچکے تھے۔ برطانوی دور میں وہ خاص طور سے معتوب رہے لیکن خدا نے ہمیشہ گزند سے محفوظ رکھا۔

مولانا رشید احمدؒ چاروں طریقوں میں بیعت کرتے تھے، لیکن عام تعلیم چشتیہ صابریہ طریقے کی تھی[1]

۱۲ یا ۷ / جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کو وہ نوافل ادا کرنے حجرے میں گئے، جہاں پاؤں کی دو انگلیوں کو ناخن سے ذرا نیچے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا۔

تذکرۃ الرشید میں ان کی کم و بیش پندرہ تصانیف کا ذکر آیا ہے (جملہ صحاح ستہ پر آپ کی تقریریں ضبط کی گئی ہیں جن میں سے الترمذی پر الکوکب الدری دو جلدوں میں شائع ہوچکی ہیں اور ایک اور تقریر اردو میں النفح الشذی کے نام سے طبع ہوچکی ہے) مکاتیب اور فتاوی کے مجموعے بھی ہیں ان کے علاوہ سبیل الرشاد، ہدایۃ المعتدی، احتیاط الظہر، رد الطغیان، جمعہ فی القری، قطوف دانیہ، رسالہ تراویح، فتاویٰ رشیدیہ، لطائف رشیدیہ، زبدۃ المناسک، ہدایۃ الشیعہ، تصفیۃ القلوب، (ضیاء القلوب کا اردو ترجمہ) امداد السلوک (تصوف کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ) مکاتیب رشیدیہ اور وصیت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

---

[1] دیکھئے سید حسین احمد مدنی: مکتوبات ۱۷ : ۳۹۲ مطبع معارف اعظم گڑھ۔

مولانا فیض الحسن ادیب سہارنپوری سابق استاذ اورینٹل کالج لاہور نے اپنے مرشد حضرت گنگوہی کے بارے میں جو دو نادر قصیدے لکھے ہیں وہ یہ ہیں :۔

وقعت بحب فالحب لازب — وصرت رهينًا فيه فالحزن صاحب
وامر جني الغمّ والبون والاذى — عليّ فحولي كل حين كتائب
وحالة قلبي كاد من جمجمة الهوى — يصير رمادا كيف وهي المصائب
مصائب تقفو مثلها من نفوسها — وجرى قضاء الله اولى وغالب
وتزهق نفسي من فراق كئيبة — ولكن لها من موتها الطيف حاجب
وتسهر عيني تمطر الدمع اربعًا — وتامرني ارني الذي انت طالب
ويامل جسمي ليت وصلا بمن به — ليطلب بي وهو بالرب يطلب
وقلت لدمع العين يا دمع مقلتي — افيك سحبي قوة فلا اخائب
ادخنته نار الوجد هل حق قربه — تطيرني بالجل فالتجونا صب
وقلت لنفسي هل حيوتي حرية — وفرق عني الحب والبعد لاعب
فقيل بموت يقتل المرء نفسه — فيحلوله مر المنايا فعاذب
طفقت بتمزيقي ثيابي ولطمة — على الوجه والخدين والعين ساكب
ويرجف قلبي شدة من صبابته — وحمت لحوم الصادو الواج غالب
وليسخر بي دهرو ناس جميعهم — وتضحك ضحكا بي الجوار الكواعب
مشيت واني مثل غرض لاسهم — بسخريهم مني وزادت مثالب
فتعلم من قلق وتبجو يضيقة — كحلقة تسعين الفيا في لسائب
والحمضوء الشمس والبدر صار ربًا — الى ظلمة اوهل كانها الغياهب
ويعلم كل من رجال ونسوة — اذا عيبوني فيه عندي التقارب

ویعلم ماء باراد ماء نارة یری اصدقالی کالعذب لاقارب

وجدت بقانون الصبابة کل من بجاری ماء منه تاتی المصائب

وذقت به ذوقالحال بغیره فواللہ ما احلی ویدریه شارب

واسأل عمن نوادی کصورة علی الصخرا وکاللمع مبدأه قاضب

فمادلنی احد علی منیتی اذا فبشرنی من رحمة اللہ ثائب

لحت عصابا من بعید یروننی یقولون یافیض الحسن انت نائب

فقلت لهم نوبی محال اانتم رأیتم بغیر الروح مرأ فائب

محبته طارت وسارت بجوجئ وقد نضیت فی الجسم فالحب غالب

وقد خلطت خلطا بلیغا یعمه فماکبدی ماکلکلی ما الترائب

وکان هو الممدوح علامة رشید احمد من یهواه تقوی وطالب

ومنبع علم عین حلم ومنهل لعلم حدیث منه تاتی الغرائب

ومنشأ فقه لیس فی الناس مثله ومیدا مجد معدان العقل صائب

ومرجع خلق فی البلاد واهی باسرهم فکان لحصن حین تاتی الشطائب

وملجاء مسکین وماوی لطلب ومجلس الاخیار فی الدرس راغب

ملاذ انام مخرج العلم جبله وآیة رحمن لاحمد نائب

ومهبط انوار من اللہ عالیا ومخزن اسرار فخیم مراتب

ومجمع خیرات وسباق غایة ومظهر شان اللہ للعلم واهب

ومشرق شمس العلم فالفیض عمهم ومطلع بدر الوعظ فالجهل ذاهب

مزار انام یحضر الخلق حضرة وماوی کما للحج حج عصائب

ومنجا خلق اللہ عن کل عامة وباعث امن حیث نارت ذائب

ومرکز نفذ الحکم معیار صحة بوفرة علم منه زالت عیاهب

واکرم عند الله اعلیٰ مکانة | وعند انام صاحب لعز غالب
ولعلم وقت الدرس من وفر دمیة | وکثرة تبیان تجود السحائب
ویمطر مطر الیس یحصی بیانه | علی قلبه من فوق عرش مواهب
مشار الیهم فی الکرامات والعلیٰ | ونعرفه فی الفضل کهفا مغارب
وقال تعالیٰ شانه جل فی العدی | وکیف ومن عاداه لاریب شاجب
ضربنا علی اذانهم من سماعهم | لمدحك حتی لایکادوا یجاوب
شیخ علوم الدین لیلاً وبکرة | رحیب جناب وافر الخیر کاسب
وافلح کل جاء مستنجداً به | وفاز بمقصود فتقتضی المآرب
ولیس زمان عابت العقل عیبة | به الخلق اوازنت علیه العواقب
وملحق طغیانٍ وکفرٍ وبدعةٍ | ودافع عدوانات من هم اشائب
ممیط اصول الشرك ودًّا ومنکرٍ | وقامع جهل حیث زالت غیاهب
خطیب انام عمهم فیض علمه | وواعظ ناس للهدی ایة لاجب
وقطب رجاة الفضل والمجد والعلیٰ | وحافظ قران وفیه المطالب
مسدد خلق الله عن طاعة الهویٰ | مجدد دهر واسع الباع راحب
وصاحب فخر والکرامات والهدیٰ | له کثرت فخرا وفضلا مناقب
اذا درس الطلاب یدری کانه | رسول الله للناس الحول صاحب
ذهین ذلیق لوذعی والمعی | فطین ذکی فی العطایا سحائب
فصیح بلیغ اهل لحن ولهجة | ادیب لبیب سالم العقل صائب
نجیب وحید کیس القوم ماهر | سخی خلیق سید الناس غالب
دلیل صراط مستقیم وحجة | وسلم علم درجة النثر کاتب
وراتب فی مهد النهی حین حبوة | وارضع علم حنکة التجارب

له رأية الاحسان للخلق محسن ... له روضة في العلم للذهن ثاقب
وتابع مولاي تسفيح شفع ... وتابع آثار وبماسن صاحب
اتاه كثير من اناس ببيعة ... وقد صدرت بعد ارتواء عصائب
اليه من الاطراف جاءوا تزودوا ... وانعمت الاذيال جدا رغائب
وكان انام في علوم عياله ... فكيف سخار كيف منه المواهب
مقدم امر الله طوعا على امره ... الى منهج مختار احمد ذاهب
وانشد بالله العلي العظيم ما ... وجدت لمهدي فلا مرضارب
مطاع انام مثله اليوم نفسه ... واحسن به نسبا على المجد اظب
وفاز المقصود الذي جاء طالبا ... فتلك من الاوصاف ادنى وشاصب
وبحر علوم صدر دين وشرعنا ... امام زمان كاسب لخير طالب
مجير انام عن كروب بدعوة ... وشيخ شيوخ الدهر اسمى مراتب
وفخر قضاة رأسهم في تبحر ... فقيه ومفت لم يجئ قط خائب
اشاع حديثا حيث لم نبق بلدة ... وليس بها علامة الدهر كاتب
وقد طلبتكم باكر المجد العلا ... عواتق فخر والتقى والكواعب
واية شمس فيك لاحت بذلة ... اتتك بتسخير وطوع مناقب
فقد دلك عال شامخ مثل كوكب ... فكوكبكم بالعرش دان ولازب
وقد افلت شمس البرايا وشمسنا ... على فلك من شمخ قدر الراسب
وانشد ان المرء ان رام مدحكم ... فيمد حكم اوتمد حن العصائب
فلست براج ان يفوز وانقصد هم ... وليس سوى حقي خنين مطائب
ووصفك هذا ليس للعد وصفكم ... ذكرت لكي يلتذ في الوجد طالب
جعلت لديك المدح اعلى وسيلة ... لافلح اواعطى بما فيه راغب

وجدت بقلبي حبكم بعد حب من شفيعي وبعد الصحب هم لي اطائب
رجوت لفوزي انني كنت خائبا وكيف ومن يطري كريما الخائب
وبلغ الهي تحفة بعد تحفة على شافعي في ساعة الله حاسب
آل على الازواج والصحب كلهم ومن تبعوهم للعدى هم نواصب

وقد قلت في مدحه ايضا وهي هذه

فدت نفسي وماملكت ايادي على قطب البرايا ذي الايادي
ومن سباق غايات بعلم ومن للدين ركن كالعماد
وغوث الناس اعلاهم مكانا ومستوى على عرش الرشاد
واعلمهم واورعهم جميعا واتواهم لخلق خير هاد
واوثقهم واسبقهم بجد وانقهم وتقوى خير زاد
واطوعهم لمالكه بطوع وافلحهم على رأس المراد
واجدهم واعذبهم كلاما وامشاهم على نهج الرشاد
واقضاهم واحسنهم قضاء واكرمهم لدى رب العباد
واجودهم وامنحهم عطاء واسخاهم ومحمود الاعاد
واهداهم وابذحهم سجاتا وخيرهم وذا اهل السداد
وازكاهم واحنهم طهورا ولم يمسسه شئ من عناد
وانقاهم من ادناس طرا واطلبهم رضى رب المعاد
واصفاهم واعظمهم سناء واسماهم على السبع الشداد
وانجحهم بتكريم وعز واسبقهم بفقه واجتهاد
واقدرهم على نفس بجهد وادناهم الى رب العباد
وافقرهم لمرضات الرحيم واغناهم بتكثير السواد

واشهرهم وانشرهم علومًا	واشفعهم لهم يوم التناد
واكثرهم ضيوفا حيث تاتى	اليه بكل يوم لاح تياد
واسعدهم واعقلهم جميعًا	واجملهم واشكر من عباد
واعطفهم على خلق كثير	واشفقهم على اهل الوداد
واشغلهم بطاعته تعالے	وادوهم على الفعل السداد
واجدرهم لتقليل واحرس	ومشغول بجدّ واجتهاد
وازيدهم وارفعهم سجاتا	وانفقهم لمال والسواد
واحفظهم لقرآن ومقرے	وامحقهم لشرك والعناد
واقودهم اناسًا نحو خير	الى دار بها جمت ايادے
وانشد انه نهج رحيب	الى طاعات ربى والمعاد
وافلح من اتى شوقا اليهم	وافلح من اتى للاح تياد
واعرفهم احاديث الرسول	وافقههم كتاب الله هاد
ومشبع جائعى الاسلام كهفًا	واسقاهم لمن للعلم صاد
واسخطهم لمن فى الدين باغ	وابغضهم لمن فى الدين عاد
فدام رشيد احمد ذا الادى	يدنياهم وفى دار المعاد
ومد ظلاله ربى دوامًا	علىّ ومن اتاهم لاح تياد
رشيدى مرشدى مولائى هادى	ومستندى وروحى للفؤاد
معاذى ملجائى وماواى تصدى	مغاثى موئلى يوم التناد
ملاذى مهربى محبائى حقا	مفرّى منجأى مثوى الوداد
مفرّى مرجعى مولاى مهدى	رحيب الناس من ضيف وناد
اعد ذكراه ياقلبى فمسلك	وعرف المسك يعرف بالنشاد

وصلی الله من فیض صلاۃ علی من شافعی یوم التناد
علی الازواج والاصحاب کھفاً
علی من تابعوھم باتقیاد
ووفقنا للطفک للرشاد
وارزقنا بھم نعم المعاد[1]

علامہ سید عبد الحی الحسنی لکھتے ہیں:

الشیخ الإمام العلّامة المحدث رشید أحمد بن هدایة أحمد بن هدایة أحمد بن پیر بخش ابن غلام حسن بن غلام علی بن علی أکبر بن القاضی محمد أسلم الأنصاری الحنفی الگنگوهی أحد العلماء المحققین والفضلاء المدققین، لم یکن مثله فی زمانه فی الصدق والعفاف، والتوکل والتفقه، والشهامة، والإقدام فی المخاطر، والصلابة فی الدین، والشدة فی المذهب۔

ولد لست خلون من ذی العقدة سنة أربع وأربعین ومأتین وألف، ببلدة "گنگوه" فی بیت جده لأمه، ونشأ بین خؤولته، وقرء الرسائل الفارسیة علی خاله محمد تقی، والمختصرات فی النحو والصرف علی المولوی محمد بخش الرامپوری، ثم سافر إلی دهلی، وقرء شیئاً من العربیة علی القاضی أحمد الدین الجهلمی، ثم لازم الشیخ مملوک علی النانوتوی وقرء علیه

---

[1] مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے اپنے مرشد کے بارے میں یہ دو نادر عربی قصائد تعلیق المحمود حاشیہ سنن ابی داؤد لمولانا فخر الحسن گنگوہی مطبوعہ کانپور ١٣٤٦ھ ص٥-٧ سے لیے گئے ہیں۔

أكثر الكتب الدرسية، وبعضها على المفتى صدر الدين الدهلوى. وقرء الحديث والتفسير أكثرهما على الشيخ عبد الغنى، وبعضها على صنوه الكبير أحمد سعيد بن أبى سعيد العمرى الدهلوى، حتى برع وفاق أقرانه فى المعقول والنقول ورجع إلى "گنگوه"، وتزوج بخديجة بنت خاله محمد تقى، ثم حفظ القرآن فى سنة واحدة، ثم أخذ الطريقة عن الشيخ الأجل امداد الله بن محمد أمين التهانوى ولازمه مدة، ثم تصدر للتدريس بگنگوه، فحبس فى السجن ستة أشهر سنة ١٢٧٦ھ لسبب خروجه على الحكومة الإنجليزية فنجاه الله من القوم الظالمين وأطلق من الأسر، فاشتغل بالدرس والإفادة زمانا يسيرًا، ثم سافر إلى الحجاز سنة ثمانين ومأتين وألف فلقى شيخه إمداد الله بمكة المكرمة، وحج حجة الإسلام ثم سافر إلى المدينة المنورة فزار ولقى شيخه عبد الغنى، ثم رجع إلى الهند واشتغل بالدرس والإفادة زمانًا، وسافر إلى الحجاز مرة ثانية سنة أربع وتسعين فى جماعة صالحة، منهم الشيخ محمد قاسم، والشيخ محمد مظهر، والشيخ يعقوب والشيخ رفيع الدين والشيخ محمود حسن، والشيخ أحمد حسن الكانپورى وجمع اخرون فحج عن أحد أبويه، ورحل إلى المدينة المنورة وأقام بها عشرين يومًا، ولقى شيخه عبد الغنى ثم رجع إلى مكة وأقام بها شهرًا كاملاً، واستفاض من شيخه إمداد الله، ثم رجع إلى الهند ودرس وأفاد مدة بگنگوه، ثم سافر إلى الحجاز سنة تسع وتسعين فحج عن أحد أبويه وسار إلى مدينة النبى صلى الله عليه وسلم، لقى شيوخه وعاد إلى الهند، ولازم بيته فلم يخرج منه إلا مرة أو مرتين إلى ديوبند للنظر إلى شؤون المدرسة العربية بها-

وكان قبل سفر الحجاز فى المرة الثالثة يقرئ فى علوم عديدة من الفقه والأصول والكلام والحديث والتفسير، وبعد العود من الحجاز فى المرة الأخرة أفرغ أوقاته لدرس الصحاح الستة، والتزم أن يدرسها فى سنة واحدة۔

ولم تكن له كثرة اشتغال بالتأليف۔

وكانت أوقاته موزعة مضبوطة يحافظ عليها صيفاً وشتاءً۔ وكان اية باهرة ونعمة ظاهرة فى التقوى، واتباع السنة النبوية۔ والعمل بالعزيمة والإستقامة على الشريعة، ورفض البدع ومحدثات الأمور ومحاربتها بكل طريق، والحرص على نشر السنة وإعلاء شعائر الإسلام، والصدع بالحق، وبيان الحكم الشرعى، ثم لا يبالى بما يتقاول فيه الناس، لا يقبل تحريفاً، ولا يتحمل منكراً، ولا يعرف المحاباة والمداهنة فى الدين، مع ما طبعه الله عليه من التواضع والرفق واللين، دائراً مع الحق حيث ما دار يرجع عن قوله إذا تبين له الصواب، انتهت إليه الإمامة فى العلم والعمل ورئاسة تربية المريدين، وتزكية النفوس، والدعاء إلى الله وإحياء السنة وإماتة البدع، وقد رزقه الله من التلاميذ والخلفاء ما يندر وجود أمثالهم فى هذا العصر فى الإستقامة على الدين، واتباع الشريعة الغراء، ونشر العلم النافع، وإحياء السنن وإصلاح المسلمين، ونفع بهم خلائق لا تحصى بحد وعد. كان الشيخ معتدل القامة، متناسب الأعضاء صدعا فى الجسم، عريض الجبهة، أزهر اللون، أزج الحاجبين، أنجل العينين فى حياء، مستوى الأنف فى شمم، كث اللحية، عريض ما بين المنكبين، له صوت عالٍ فى رفق و

وضوح، دائم البشر، فصيح اللسان، جميل اللحن، وكان غاية في ذكاء الحس، ودقة الشعور، مقتصدًا في حياته، متوسطًا بين الإفراط والتفريط، يحب النظافة والأناقة، طارحًا للتكلف، تدارسل النفس على سجيتها، ومن كبار خلفاءه الشيخ خليل أحمد السهارنفوري والشيخ محمود حسن الديوبندي، والشيخ عبدالرحيم الرائے پوري والشيخ حسين أحمد الفيض أبادي، ومن أشهر تلاميذه الشيخ محمد يحيٰى الكاندهلوي والشيخ ماجد على المانوي والشيخ حسين على ألواني وآخرون۔

له مصنفات مختصرة قليلة، منها تصفية القلوب، وإمداد السلوك، وهداية الشيعة، وزبدة المناسك، وهداية المعتدي، وسبيل الرشاد، والبراهين القاطعة في الرد على الأنوار الساطعة للمولوي عبدالسميع الرامپوري طبع باسم الشيخ خليل أحمد السهارنپوري، وبعض رسائل في المسائل الخلافية والرد على البدع، وقد جمع بعض أصحابه رسائله مجموعة، وجمعت فتاواه في ثلاثة مجلدات۔

وقد جمع تلميذه النجيب الشيخ محمد يحيٰى بن إسماعيل الكاندهلوي ما أفاده في درسه لجامع الترمذي، وطبع باسم "الكوكب الدري"، ودوّن ما أفاده في درس الجامع الصحيح، ونشره ابنه الشيخ محمد ذكريا الكاندهلوي مع تعليقاته، وسماه "لامع الدراري"[١] كتب الشيخ محمد يوسف البنوري عنه:

"فكان المحدث فقيه هذه العصور الشيخ رشيد احمد الگنگوهي

---

[١] الشيخ عبدالحي وأبو الحسن على الندوي: نزهة الخواطر: ج ٨ ١٥٢۔

الأنصاري - رحمه الله - جمع مع العلوم الرائجة علوم أرباب القلوب، ووهب نوراً في القلب يلمع به ما أظلم على الناس؛ فكان يأتي بتوجيهات في مشكلات الفقه ومعضلات الحديث ما خلت عنها الأسفار الفخمة والمجلدات الكبيرة، وكان موفقاً طيلة حياته المباركة لدرس أمهات الست طول النهار غير فترة قليلة في البين، وبقي نصف قرن يدرس الحديث وكتب السنة لا يلحقه ملل ولا ضجر، ولا سآمة



مولانا قاری ابراہیم بنگالی

مولانا قاری ابراہیم صاحب نواکھلی کے رہنے والے تھے، حضرت قطب الارشاد امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے خاص مجاز اور نہایت سوز و گداز والے باکمال شیخ تھے۔ ہزاروں افراد نے ان کی وجہ سے ہدایت پائی اور راہِ راست پر آئے، ان کے متعلقین اور مریدین میں بھی سوز و گداز نمایاں تھا۔ مولانا مفتی عزیز الحق کا بیان ہے کہ ایک دفعہ قاری صاحب سے ان کے ایک مرید نے دریافت کیا کہ مولانا ضمیر الدین صاحب کے مریدوں میں وہ جوش و خروش نہیں جو آپ کے مریدوں میں ہے۔ حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ "کیا کہتے ہو، مجھ کو تو فقط چشتیہ میں اجازت ملی ہے اور ان کو چاروں سلسلوں کی اجازت ملی ہے"

بنگال میں تجدید و قرآت کا سلسلہ غالباً آپ ہی کی ذات سے شروع ہوا، فن قرآت میں "نزہتہ القاری" آپ کی تصنیف ہے[1]۔

تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۶۱ پر حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں آپ کا نامِ نامی موجود ہے[2]۔

***

---

[1] تذکرہ کا مواد "تذکرۂ ضمیر" سے لیا گیا ہے۔

[2] مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: سہارنپور: ج ۲ ص ۱۶۱۔

مولانا سیّد احمد مہاجر مدنیؒ

۱۲۹۳-۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء

آپ کے بارے میں مولانا مفتی محمد شفیع تحریر فرماتے ہیں کہ "موصوف حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے برادر محترم، ایک عالم ربانی اور باخدا بزرگ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز تھے۔ مدینہ منورہ کے حرم محترم میں آپ کی ہستی یگانہ روزگار اور مغتنمات میں سمجھی جاتی تھی۔ آپ نے ہی اس ارض پاک میں ایک مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی تھی جس نے بفضلہ تعالیٰ آپ کے سامنے ہی غیر معمولی ترقی کی اور اب وہ علوم اسلامیہ کا ایک عالی شان مدرسہ ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے مدینہ طیبہ کے باشندوں کی بڑھتی ہوئی بیکاری کو دیکھ کر ایک دارالصنائع بھی قائم فرمایا تھا جس کی مصنوعات علاوہ ایک بہترین ہونے کے اعلیٰ قسم کا تحفہ سمجھ کر اطراف عالم اسلامی میں مقبول و معروف ہیں۔ زائرین روضہ اقدس کے لئے عموماً اور اہل ہند کے لئے خصوصاً آپ کی خدمات اس طرح وقف تھیں کہ ہر شخص بے تکلف اپنی حاجات آپ کے ذریعہ پوری کر سکتا تھا۔ مہمان نوازی اور خُلق و مدارات کی طبیعت ثانیہ تھی۔ یہ احقر ناکارہ بھی ۱۳۴۶ھ میں اس ارض پاک میں حاضر ہوا تو آں مخدوم نے جو الطاف و عنایات فرمائیں، حقیقت یہ ہے کہ نہ بیان میں آسکتی ہیں نہ ان کا شکر یہ ادا ہو سکتا ہے۔

رمضان المبارک ۵۸ھ میں آپ کی علالت شدیدہ کی خبر آئی اور ۱۲ شوال ۵۸ھ میں عالم فانی کو خیرباد کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس حادثہ فاجعہ پر چند اشعار احقر نے بھی لکھے جو عربیت و ادبیت کے اعتبار سے گو اس قابل نہ ہوں کہ اہل علم کے سامنے لائے جائیں لیکن مولانا ممدوح کے ساتھ تعلق رکھنے

والوں کے لئے گونہ سبب تسلی ہو سکتے ہیں۔

مرثیہ

هذه أبيات رثيت بها طود الحلم وجود العلم حلو الشمائل رضي الخصائل الشيخ البارع الزاهد العارف مولانا السيد احمد قدس سرّه المهاجر المدني المؤسس المدرسة الشرعية و دار الصنائع وانشائها بمدينة الرسول صلى الله عليه وسلم وقد توفي رحمه الله لاثنتي عشر خلون من شوال المكرم سنة ثماني وخمسين بعد ثلاثمائة والف من الهجرة۔[1]

سنہ ۱۳۵۸ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

ای الخطوب من الايام ابكيه   والدهر ذو المحن لا يأتلي فيه

میں زمانہ کے کس کس حادثہ کو روؤں کہ زمانہ صاحب حوادث ہے اور اس میں کبھی کمی نہیں کرتا۔

كتمت دائي حتى عيل مصطبري   وليس منكتما ما الله مبديه

میں اپنی بیماری کو چھپاتا رہا یہاں تک کہ میرا صبر عاجز ہو گیا اور جس راز کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہو اسے کون چھپا سکتا ہے

جزت لسرى اقلام الجفون على   صفحة الوجه والاحزان (الاشواق) تمليه

(بالآخر) پلکوں کے قلموں نے میرا راز چہرہ کے صفحات پر لکھ دیا۔ اور دلی صدمات نے ان کے مضمون کی املا کرا دی۔

ياحسرة لعشيات الحمى سلفت   في روض طيبة قد طابت ضواحيه

حسرت ہے ان شام کے اوقات پر جو دار محبوب یعنی مدینہ طیبہ کے باغ میں گزر گئے جس کے تمام اطراف پاک وصاف ہیں،

ياحسرة لعشيات الحمى سلفت   في ظل صفوة خلق الله راعيه

حسرت ہے ان شام کے اوقات پر جو دار محبوب میں یعنی تمام مخلوق کے برگزیدہ اور نگہبان (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیر سایہ گزر گئے

ياحسرة لعشيات الحمى سلفت   في دار احمد يسمى بسد افيه

حسرت ہے ان شام کے اوقات پر جو دار محبوب یعنی سید احمد صاحبؒ کے مکان پر گزر گئے

---

[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی: حیات عبدالحی: دہلی: ۱۹۷۰ء ص ۲۷۵، ۲۷۶ (حاشیہ)

جم الفضائل قد طابت شمائله عم الفواضل مخزی من یضاهیه

آپ کثیر الفضائل تھے اور پاکیزہ خصائل تھے آپ کی عطائیں عام تھیں آپکے فضائل آپ کے ہر مقابلہ کرنے والے کو رسوا کردینے والے ہیں

جود العلوم وطود الحلم محتشد ماضی العزائم جاد فی مرامیه

آپ علوم کی بارش اور حلم واستقامت کے پہاڑ اور نہایت مستعد اپنے ارادوں میں مستقل اور مقاصد میں انتہا پر پہنچنے والے تھے۔

دار ملاذ غریب لا ملاذ له مغناه غنیة من اکدت مساعیه

آپکا دولت خانہ ایسے مسافروں کا ٹھکانہ تھا جن کیلئے کوئی ٹھکانہ ہو اور اپنی مساعی میں ناکام رہ جانیوالوں کیلئے آپکا مکان ایک بے فکری کا سامان تھا

حصن الارامل للایتام ملتحد یؤوی الغریب ویدنیه فیکفیه

آپ بیوہ عورتوں کی کامل حفاظت کرنے والے یتیموں کی جائے پناہ تھے مسافر کو پناہ دیتے اور اپنے قریب رکھتے اور کفایت کرتے تھے

واحر قلباه من برقیة وصلت من المدینة تسمیه وتبکیه

افسوس سوزش قلب پر جو مدینہ طیبہ سے آنے والے برقی تار سے پیدا ہوئی جو ممدوح کا نام لیتا تھا اور روتا تھا۔

نعت سلیم دواھی القلب متئدا رحب الجنان خزیئ من یجاریه

اس برقی پیغام نے ایک سلیم القلب صاحب وقار، فراخ حوصلہ بے نظیر بزرگ کی خبر وفات سنائی۔

من للارامل والایتام لبعدهم من للغریب یسلی او یداریه

اب ان کے بعد بیواؤں اور یتیموں کا کون ہے اور مسافر کی تسلی و مدارات کرنے والا کون ہے۔

من للمکارم والاخلاق قد یتمت والعلم والحلم قد هدت مبانیه

آج مکارم اور اخلاق کا کون حامی ہے کہ وہ سب یتیم ہو گئے اور علم و حلم کی بنیادیں منہدم ہو گئیں۔

لله خدمته فی الله هجرته اللهُ ربی یجزیه فیجزیه

اللہ ہی کے لئے ہے ان کی خدمت خلق اور ان کی ہجرت مدینہ میرا مالک اللہ ہی ان کو جزا دے گا اور وہی کفایت کرے گا۔

ممن یحض لذکر الله رؤیته ومن لموتته قلت بواکیه

وہ ان بزرگوں میں سے تھے جن کی صورت دیکھکر خدا تعالیٰ یاد آوے اور ان لوگوں میں سے جن کی وفات پر رونیوالی عورتیں کم ہیں

قضی الحیوۃ الی ان مات ملتزما دار الرسول مقیما فی حواشیه

آپ نے اپنی عمر شریف دار رسول کو لازم پکڑتے ہوئے آپ کے خدام میں گزاری یہاں تک کہ اس پر وفات ہوگئی

کفاک جارُ رسول اللہ مأثرۃ جوارُ افضل خلق اللہ داعیہ

اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی آپ کے لئے یہی فضیلت کافی ہے کہ آپ کو افضل الخلق کا جوار حاصل ہے۔

حفظ الجوار لقد کانت سجیتُہ ماکان ربی فی الجیران مخزیہ
(واللہ ماکان فی الجیران)

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ پڑوسی کی حفاظت فرماتے تھے ہم یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپکی شفاعت آپکے پڑوسیوں کے بارہ میں رد نہ فرمائیگے

کنتَ المضیفَ لِاَضیافِ الرسولِ اِذا حُطّتْ رواحلُھم یومًا بنادیہ

آپ مہمانان رسول کے میزبان ہوتے تھے جب کہ ان کی سواریاں آپ کی مجلس میں حاضر ہوتی تھیں۔

قد حدّثتک بنات الدھر واعظۃً مافیہ مُزدجرٌ من بعد تنبیہ

حوادث زمانہ نے تیرے سامنے وہ واعظانہ واقعات رکھ دیے جن میں وہ عبرت و تنبیہ ہے کہ انسان کو معاصی سے روکنے کے لئے کافی ہیں

کم قد عَبَرتَ علی مافیہ مُعتبرٌ لھوًا وانت من الغفلات فی تیہ

تم کتنی مرتبہ ایسی چیزوں پر غافلانہ گزرے ہو جن میں بڑی عبرت ہے اور تم اسی طرح غفلتوں کی وادی میں گرفتار ہو۔

لا یزدھینی من دھری زخارفہ وان حسبی ان ابکی لِمَاضِیہ
(وکان)

مجھے میرے زمانہ کے دلفریب نظارے نہیں بھاتے بلکہ مجھے تو یہی کافی ہے کہ گزشتہ زمانہ کو رویا کروں۔

عذرُ النظم شفیع تائہٌ کئِبٌ لا غرو فیہ اِن اختلّت قوافیہ

حیران و مضطرب شفیع کی نظم کے لئے عذر ہے اور اس میں کوئی تعجب نہیں ہے کہ اس کے اشعار میں اختلال ہوگیا۔

الاحقر الافقر محمد شفیع الدیوبندی

الخادم لدار العلوم الدیوبندیہ عفا اللہ عنہ

۲۲ شوال ۵۸ھ

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: "یہ مدرسۃ العلوم الشرعیہ ۱۳۴۰ھ میں مولانا سید احمد صاحب فیض آبادی مہاجر مدینہ طیبہ نے قائم کیا تھا جو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

---

[۱] اشارۃ الی حدیث الذین اذا رؤوا ذکر اللہ ۱۲ [۲] اشارۃ الی حدیث قل تراثہ وقلت بواکیہ ۱۲ منہ

کے برادرِ اکبر تھے، اس کا پورا نام "مدرسۃ العلوم الشرعیہ لیتامیٰ بلدۃ خیر البریۃ" تھا، پہلی جنگ عمومی کے بعد حجاز میں بالعموم اور مدینہ طیبہ میں بالخصوص انہوں نے شرفاء کی جوزبوں حالی یتیم بچوں کی کسمپرسی اور ملک کی تعلیمی پسماندگی دیکھی تھی اس سے متاثر ہو کر انھوں نے یہ مدرسہ قائم کیا تھا، ان کے انتقال ۱۱ر شوال ۱۳۵۸ھ، ۲۲ر نومبر ۱۹۳۹ء کے بعد اس کا انتظام و انصرام ان کے چھوٹے بھائی مولانا سید محمود احمد صاحب مدنی کے ہاتھ میں آیا اور عرصہ تک وہ ایک آزاد دینی مدرسہ کی طرح کام کرتا رہا، افسوس ہے کہ اب ایک ابتدائی مدرسہ کی حیثیت سے رہ گیا ہے جس میں عام نصاب پڑھایا جاتا ہے اور حکومت سے امداد ملتی ہے۔"

مولانا اشرف علی سلطان پوری

۱۲۶۸ —

الشیخ العالم الصالح اشرف علی بن عبدالغفور حنفی سلطان پوری باعمل علماء میں سے تھے۔ ۷ رمضان ۱۲۶۸ھ کو بروز اتوار پیدا ہوئے، ابتدائی کتابیں اپنے والد اور حکیم صادق علی سے پڑھیں اور مولوی رحمت اللہ سے ان کے شہر کپور تھلہ میں، پھر ۱۲۹۱ھ میں دہلی کا سفر کیا، اس مدت میں بعض کتابیں مفتی عبداللہ ٹونکی سے پڑھیں اور طبی کتابیں حکیم عبدالمجید ابن محمود دہلوی سے پڑھیں، پھر سہارنپور پہنچے۔ فقہ اور اصول کی کتابیں مولوی احمد حسن کانپوری اور مولانا محمد مظہر نانوتوی سے پڑھیں۔ کتب حدیث شیخ احمد علی بن لطف اللہ سہارنپوری سے پڑھیں، پھر گنگوہ پہنچے اور سلسلۂ طریقت شیخ رشید احمد گنگوہی سے حاصل کیا، پھر تدریس و تصنیف میں لگ گئے۔ انھیں علم مناظرہ میں کافی مہارت تھی، ان کی تصانیف میں تنبیہ المغرور (فی الرد علی القادیانی) رسالہ فی الرد علی الشیعہ، رسالہ فی تحقیق السیادۃ، اور ایک رسالہ شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔[1]

مولانا اشرف علی سلطان پوری کے بارے میں حکیم سید نورالحسن منظور لکھتے ہیں:-

حضرت والدم قبلہ مولانا سید محمد اشرف علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بروز یک شنبہ ہفتم رمضان المبارک ۱۲۶۸ھ بوقت صبح صادق پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش "چراغ الدین" سے نکلتی ہے۔ ابتدائی تعلیم جد بزرگوار حضرت سید محمد سلطان احمد سے حاصل کی اور اپنے خاندانی پیشہ طب کی تعلیم کو بھی ابتدائی کتب سے مفرح القلوب تک حاصل کیا، حضرت جد امجد کی وفات کے بعد دارالریاست کپور تھلہ میں بعض بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر علم

---

[1] مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر: حیدر آباد ۱۹۷۰ء؛ ج ۸ ص ۵۹، ۶۰ (عربی سے اردو)

طب وصرف ونحو، منطق میں استفادہ کیا، ۱۲۹۱ھ میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب ٹونکی (م ۱۳۳۹ھ) سے مدرسہ اسلامیہ دہلی میں دو سال تک شرح ملا جامی، شرح وقایہ قطبی، میر قطبی، نور الانوار، شرح منار، اصول فقہ، ملا حسن، حاشیہ سلم العلوم وغیرہا سے بہرہ اندوز ہوئے، نیز اس عرصہ دو سال میں حکیم عبدالمجید خان صاحب وحکیم محمود خاں صاحب وحکیم محمد جان صاحب دہلوی کی خدمت میں علم طب کی تعلیم سے فارغ التحصیل ہو کر سند حاصل کی، ۱۲۹۳ھ میں سہارنپور پہنچ کر شیخ المحدثین حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں مشرف ہو کر درسِ حدیث میں شامل ہوئے، بعد اختتام کتب حدیث حضرت مولانا ممدوح نے اجازت وسند عطا فرمائی، حدیث کی تعلیم سے فارغ ہو کر کثیر البرکت حضرت مولانا مظہر صاحب وحضرت مولانا احمد حسن صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر تحصیل علوم متداولہ عقلیہ ونقلیہ وعلم ادب وغیرہ کو ۱۲۹۷ھ تک پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور مولانا احمد حسن صاحب سے سندِ فضیلت حاصل کر کے مراجعت فرمائے وطن ہوئے، ۱۲۹۷ھ کے اخیر میں اپنے وطن قصبہ سلطان پور ریاست کپور تھلہ میں تشریف لا کر درس وتدریس، قرآن وحدیث وموعظ حسنہ سے عامۃ المسلمین کو سیراب فرماتے رہے اور ایک عرصہ تک سلسلہ تصانیف میں مصروف رہنے کے بعد تیر الاعظم مطبوعہ اعجاز القرآن کے ثبوت میں تنبیہ المغرور غیر مطبوعہ مسیح قادیانی کے رد میں مستند اور فاضلانہ دلائل وتحریر کے ساتھ ۲۱۰ صفحہ کے حجم میں تصنیف فرمانے کے بعد لکل قوم ھاد، حجم ۹۰ صفحہ غیر مطبوعہ واخلاق النبی، وتحقیق السیادت ایک مثنوی سرپنجہ عشق فارسی اور ایک مسدس تصنیف کیں،

قصبہ کے مسلمانوں میں آپ کی تبلیغ واشاعت کی برکت سے دینیات کی رغبت اور قبولیت کا شوق پیدا ہو گیا، قصبہ میں عیدین کا فریضہ ادا کرنے کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، اس لئے مسلمانوں کو عیدگاہ تعمیر کرانے کی طرف توجہ دلائی ۱۳۰۱ھ میں اس کار خیر سے فراغت حاصل ہوئی، ان تمام مشاغل ومصروفیت کے بعد آپ کو اصلاح وتہذیب نفس کے لئے کتب ہائے تصوف کے مطالعہ کا

شوق دن بدن بڑھنے لگا، کتب ہائے تصوف کے مطالعہ کے بعد یہ حالت ہوئی کہ قائم اللیل اور صائم النہار رہنے لگے، عام حالت میں استغراق طاری رہتا، جب ہادی و مرشد کی تلاش و جستجو ہوئی اور حضرت مولانا احمد حسن صاحب سے اس معاملہ میں استصواب کیا تو انھوں نے جواباً تحریر فرمایا، ہمارے نزدیک تین بزرگوار کاملین ہیں۔ اول حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ دوم حضرت مولانا شاہ فضل رحمن مرادآبادی، سوم حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی۔ لیکن میرے خیال میں آپ گنگوہ شریف پہنچ کر حضرت مولانا ممدوح کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کریں، حضرت مولانا کی تحریر کے بموجب آپ گنگوہ شریف تشریف لے گئے اور آستانہ ملائک آشیانہ پر حاضر ہو کر چھ دن تک حضرت مولانا محدث گنگوہی کی خدمت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا اور استفادۂ تلقین و ارشاد حاصل کر کے ۱۳۰۵ھ میں وطن واپس آئے، عرصہ پانچ سال کے بعد حضرت گنگوہی کے طلب فرمانے پر دوبارہ گنگوہ شریف تشریف لے گئے، چند یوم قیام کے بعد اپنے قصبہ میں آکر مصروف عمل رہے، منازل سلوک الی اللہ میں جس قدر مکتوبات ہادی کامل کی طرف سے اصلاح و تہذیب نفس کے لئے شرفِ صدور لاتے رہے، اس مجموعہ کا نام "مفاوضات رشیدیہ" ہے جس کو علمائے کرام و صوفیائے عظام کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

(تحریر ۳ اگست ۱۹۳۸ء)[1]

اس مجموعہ میں پچاس تربیتی و اصلاحی مکتوبات ہیں، حواشی مولانا محمد شاہد سہارنپوری کے قلم سے ہیں۔

❖

---

[1] حکیم سید نور الحسن منظور: مفاوضات رشیدیہ سہارنپور۔ اول ۱۹۳۸ء دوم ۱۹۷۶ء ص ۶ تا ۱۲ (تعارف)

مولانا الحاج افاض الدین بنگالی

۱۹۴۴ء

آپ شواتیل چاٹگام میں پیدا ہوئے، مدرسہ محسنیہ چاٹگام میں تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور استفادہ کرتے رہے۔

وطن آکر پہلے مدرسہ عربیہ بی بیرہاٹ میں تدریس کا آغاز کیا، پھر دارالعلوم ہاٹھزاری میں تیس سال تدریس کی، کچھ عرصہ رنگون میں بھی پڑھاتے رہے۔

آپ کی تصانیف میں ضرورۃ المسلمین بنگالی میں اور صیانۃ المسلمین اردو میں ہیں۔

آپ بڑے منکسر المزاج، حلیم الطبع اور پرہیزگار تھے۔

۱۳۶۳ھ میں وصال ہوا۔

اولاد میں ایک فرزند حافظ محمد حامد استاذ دارالعلوم ہاٹھزاری ہیں۔

حافظ اللہ دیہ کاندھلوی

حافظ اللہ دیہ بیگ کاندھلہ کے ایک صاحبِ نسبت بزرگ تھے، اولاً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہوئے۔ حاجی صاحب کی وفات کے بعد حضرت (مولانا رشید احمد) محدث گنگوہی سے تعلق بیعت قائم کیا۔ آخر میں حضرت گنگوہی کے مجاز بھی ہو گئے تھے۔[1]

☘

---

[1] مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی، تبرکات : بحوالہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید۔

مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ

۱۲۹۶ — ۱۳۷۷ھ

۱۸۷۹ — ۱۹۵۷ء

آپ ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ / ۱۶ اکتوبر ۱۸۷۹ء میں بانگرمئو ضلع اناؤ میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد سید حبیب اللہ[1] ایک اردو مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ تقریباً تین سال کے تھے کہ آپ کے والد صاحب نے اپنا تبادلہ بانگرمئو سے اپنے وطن اللہ داد پور ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں کرا لیا۔ وہاں رہ کر ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔

صفر ۱۳۰۹ھ میں ۱۳ سال کی عمر میں آپ کے والد صاحب نے آپ کو دارالعلوم دیوبند بھیج دیا جہاں آپ کے دو بڑے بھائی مولانا محمد صدیق اور مولانا سید احمد پہلے سے زیر تعلیم تھے۔

۱۳۱۵ھ میں مولانا محمود حسن اور دیگر اساتذہ سے کتبِ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

۱۳۱۶ھ میں آپ کے والد صاحب نے مع اہل و عیال مدینہ منورہ ہجرت کی تو وہاں مسجد نبوی میں ۱۸ سال تک درس حدیث دیتے رہے۔ ۱۳۳۳ھ میں آپ کے استاذ مولانا محمود حسن حجاز پہنچے تو آپ کے ہاں قیام کیا۔ کچھ بعد میں ۱۳۳۵ھ میں انگریزوں نے تحریک آزادی کی پاداش میں جب مولانا محمود حسن کو حجاز سے گرفتار کیا تو

---

[1] مولانا سید حبیب اللہ مشہور بزرگ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے خلیفہ تھے۔

گو آپ کی گرفتاری کے آرڈر نہیں تھے مگر اپنے استاذ کی رفاقت و معیت کی خاطر اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ وہاں سے لے جا کر "مالٹا" میں قید کر دیئے گئے اور ۲۰ رمضان ۱۳۳۸ھ / ۸ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچا کر سب کو رہا کر دیا گیا۔

"اسی سال اکابر کے حکم سے جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں۔ پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ۱۳۳۹ھ میں ہی جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہو گیا اور علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ڈابھیل تشریف لے جانے پر آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے۔ آپ بڑے درجہ کے محدّث اور حدیث کے مشہور اسکالر تھے۔ آپ کا درسِ حدیث بہت مقبول تھا۔ ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک ۳۲ برس دارالعلوم میں صدر مدرس اور ناظمِ تعلیمات رہے۔ اس دوران میں ۳۸۴۳ طلبہ نے آپ سے بخاری اور ترمذی پڑھ کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔۔۔۔ بہر حال مجموعی حیثیت سے آپ عالم، فاضل، شیخِ وقت، مجاہد، جفاکش، جری اور اولو العزم فضلاء دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔"[1]

تصنیفی خدمات آپ کی تصانیف میں نقشِ حیات (۱-۲) مکتوباتِ شیخ الاسلام مرتب مولانا نجم الدین

---

[1] مولانا قاری محمد طیب قاسمی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: کراچی: ۱۹۷۲ء: ص ۶۶

اصلاحی (۱-۴) سفرنامہ اسیر مالٹا، مجالسِ سبعہ (۱۹۴۳ء میں مُراد آباد کی جیل میں جو درسِ قرآن دیا یہ ان کا مجموعہ ہے) معارفِ مدنیہ۔ آپ کے شاگرد مولانا سید طاہر حسن نے ترمذی شریف پر آپ کی تقریر چھاپ دی ہے اسی طرح آپ کے دوسرے شاگرد مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک نے ترمذی ہی پر آپ کے درسی افادات کو جمع کر کے "حقائق السنن" کے نام سے چھاپ دیا ہے تیسرے شاگرد مولانا سلیم اللہ خان جامعہ فاروقیہ کراچی نے بخاری شریف (کتاب المغازی) کی شرح "کشف الباری" کے نام سے چھاپ دی ہے اور اس میں بخاری شریف پر آپ کے درسی افادات سے خاصا استفادہ کیا گیا ہے نیز چوتھے شاگرد مولانا سرفراز خان صفدر ہزاروی نے بھی آپ کے درسی افادات پیش کئے ہیں۔

صوفیانہ مسلک

۱۳۱۶ھ میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر والد ماجد کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں حضرت گنگوہی کے ارشاد پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی روحانی فیض حاصل کرتے رہے ۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی نے یاد فرمایا تو اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق کے ہمراہ گنگوہ پہنچے۔ اسی عرصۂ قیام کے دوران میں ایک دن حضرت گنگوہی نے یاد فرمایا اور دستار بندی کرادی اور ساتھ ہی پوچھا کچھ جانتے بھی ہو یہ کیا ہے؟ مولوی محمد صدیق نے دبی زبان سے عرض کیا کہ "دستارِ فضیلت" ارشاد ہوا "دستارِ خلافت"[1]۔

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، میرٹھ: ص۱۵۸-۱۵۹

پھر ہزاروں مسلمان مولانا حسین احمد مدنی کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اور ان میں سے جن خوش نصیبوں نے سلوک کی تکمیل کر کے خلافت حاصل کی ان کی تعداد ۱۶۶ ہے۔ ان میں بڑے بڑے علماء کے بھی نام آتے ہیں۔

مولانا سید حسین احمد مدنی کو حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری کی طرف سے بھی اجازت حاصل تھی۔

وصال ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ / ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ۸۱½ سال کی عمر میں دیوبند میں وصال ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی امامت میں ہزاروں مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھی اور مقبرۂ قاسمی میں تدفین ہوئی۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ)

اولاد اولاد میں تین فرزند مولانا سید اسعد، مولانا ارشد اور اسجد اور پانچ بیٹیاں۔ ریحانہ، صفوانہ، رخسانہ، عمرانہ اور فرحانہ ہیں۔

مزید مطالعہ کے لئے خود نوشت "نقشِ حیات" الجمعیتہ کا مدنی نمبر، مولانا سید محمد میاں کی حیاتِ شیخ الاسلام، مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کی "چراغِ محمدؐ" مفتی عزیز الرحمٰن کی انفاسِ قدسیہ اور تذکرہ مشائخِ دیوبند اور اعجاز احمد سنگھالوی کی سوانح حیات، حکایات و عملیاتِ مدنی فرید الوحیدی کی مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر رشید کی شیخ الاسلام کے حیات و کارنامے اور ڈاکٹر ابو سلمان کی شیخ الاسلام حضرت مدنی مفید رہیں گی۔

: فیوض الرحمٰن ڈاکٹر: مشاہیر علماء: لاہور: ۱۹۷۶ء ج ۱: ص ۱۴۷

: " " : حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور انکے خلفاء: کراچی: ۱۹۸۴ء: ص ۲۳۸ تا ۲۶۰۔

مرثاء

شیخ العرب والعجم السید حسین احمد المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

(مولانا لطافت الرحمٰن صاحب)

الیوم آذکر مولانا و سیدنا حسین احمد شیخی بعد ازمان

آج میں بہت زمانے کے بعد اپنے آقا اور سردار اور اپنے شیخ حضرت مولانا حسین احمدؒ کا ذکر کر رہا ہوں۔

علامۃ الدھر استاذ الوری المدنی شیخ المشائخ من افذاذ اقران

اس مدنی کا جو اپنے زمانہ کے علامہ اور مخلوق خدا کے استاذ، علمائے کرام کے شیخ اور یگانۂ روزگار تھے۔

حویٰ علوماً واخلاقاً ومنزلۃً رفیعۃً جاوزت مجھود انسان

جنہوں نے اتنے علوم اور ایسے اخلاق اور بلند درجات پر احاطہ کیا۔ جو انسان کی طاقت کی پرواز سے بالاتر ہیں۔

وجاھۃً ووقاراً عظمۃً وتقیً وسوددا العلم فی حلم وخفضان

جنہوں نے وجاہت وقار وعظمت اور تقویٰ وعلمی سیادت کو صبر و تواضع کیساتھ جمع کیا۔

ودروسہ فی الکراسات التی کتبت فی الترمذی والبخاری حرز ایمان

ان کے درس کی تقریریں جو ترمذی اور بخاری کی کاپیوں کی شکل میں محفوظ ہیں۔ ایمان کی حفاظت کے لیے نسخۂ کیمیا ہیں۔

وشانہ شان شیخ الھند قدوتہ وقدوۃ الرشد والتقویٰ وعرفان

ان کی شان اپنے شیخ حضرت شیخ الہندؒ کی طرح تھی۔ جو رُشد و تقویٰ اور معرفتِ الٰہیہ میں پیشوا اور مقتدا تھے۔

فلم یکن ننگ اسلاف جھابذۃ بل المذکر اسلافاً ذوی شان

درحقیقت وہ ننگ اسلاف نہیں تھے ۔ بلکہ شان اور عظمت والے علمائے سلف
کی یادگار اور نمونہ تھے ۔

محدثا ثقة ثبتا فليس له　　في زمرة العلماء الجل من ثان
محدث، معتمد ثقہ تھے ۔ بڑے بڑے علماء کی مجلس میں ان کا ثانی نہیں تھا۔

وكان طوداً عظيما في عزائمه　　فنال فضلا ومجدا حسب امكان
اپنے ارادوں میں پہاڑ کی طرح مضبوط تھے انہوں نے　کمالات اور بزرگی سے
حتی الامکان اپنا دامن خوب بھر لیا تھا ۔

عظيم همم رحيب الصدر متّئدٌ　　حاشا عن الضعف في سرٍّ واعلان
بڑی ہمت والے، کشادہ دل اور مستقل مزاج تھے ۔ ضعف و کمزوری سے خلوت
وجلوت دونوں میں کوسوں دور تھے ۔

مُحيِ الليالي بذكر الله مبتهل　　يتلو على ظهرٍ قلبٍ جزء قرآن
راتوں میں جاگنے والے تھے اور ذکر اللہ میں عاجزی کے ساتھ مشغول رہتے تھے ۔ نیز
یاد سے قرآن کریم کا ایک حصہ تلاوت فرماتے تھے ۔

واليوم والليل في درس الحديث له　　كلاهما في رضاء الرب منان
دن رات احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درس میں مشغول رہتے تھے شب وروز
رب العالمین کی رضا میں سرشار تھے ۔

درس الحديث مُدى عمرٍ وظفته　　لشوق قلب بحب الله ملآن
پوری عمر حدیث کا درس دینا ان میں شوق حدیث لئے ہوئے ان کا اوڑھنا بچھونا تھا ۔
اور دل اللہ کی محبت سے لبریز تھا ۔

وجوده لا كجود الحاتم الطائي　　بل المزيد بعلم ثم احسان
ان کے سخا کے ساتھ حاتم طائی کی سخاوت کی کیا نسبت ۔ علم اور احسان اس پر مزید
اللہ تعالی نے عطا فرمایا تھا ۔

وقد توارث من استاذہ شغفا ۔ بان یخلص ھنداً من بریطانی

اپنے استاذ سے یہ شغلہ وراثت میں ملا تھا ۔ کہ سرزمین ہند کو برطانیہ کے پنجے سے آزاد کرائے ۔

فکان ماانفک مشغولاً بحرب عدیٰ حب السیاسۃ فی تحریر بلدان

پس ہمیشہ وطن کی آزادی کے سلسلہ میں دشمنوں سے برسرپیکار رہے ۔ وطن کی آزادی میں ان کے سیاسی محارب و مدمقابل تھے ۔

محررالھند اشیاخ ذووھمم وفتا انکلیز فی ذل وخسران

ہمت والے مشائخ نے ہندوستان کو آزادی بخشی ۔ اور انگریز نے ذلت اٹھاتے ہوئے اپنا بستر لپیٹا ۔

وھذہ نفثات قد نفثت بھا بامر اکرم خلان واخوان

یہ چند کلمات ہیں جو میں نے اپنے دوستوں میں سے معزز ترین دوست کے حکم کی بجا آوری کے طور پر کہے ہیں ۔

المقرء الحافظ الحاوی علی جللٍ من الفیوض فیوض اللہ رحمانی

جو اچھے قاری حافظ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان بخششوں پر احاطہ کیا یعنی قاری فیوض الرحمٰن صاحب ۔

ارثی بھا بیھقی الوقت تارکنا ایتام علم علی یاس وحرمان

میں اس قصیدہ کے ذریعہ بیہقی وقت کا مرثیہ کہہ رہا ہوں ۔ جس نے ہمیں علم میں یتیم ، ناامیدی اور محرومی کے عالم میں چھوڑا ۔

نعم تلامیذہ ناتوا الالوف وھم شموس دین علی افلاک اوطان

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ان کے شاگرد ہزاروں سے زیادہ ہیں اور سب اپنے اپنے علاقے کے آسمان پر دین کے خورشید تاباں بنے ہوئے ہیں ۔

فاللہ اولاہ فی الفردوس تکرمۃ واللہ اراہ فی جنات رضوان

پس اللہ ان کو جنت الفردوس میں اکرام وعزت عطا فرمائے ۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رضامندی کی جنت میں ٹھکانہ عطا فرمائیں ۔

وان تلمیذہ الادنی اللطافۃ من ابناء دیوبند عبد مذنب فان

مولانا حافظ خلیل احمد مہاجر مدنیؒ

۱۲۶۹ - ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء

آپ اواخر صفر ۱۲۶۹ھ/اوائل دسمبر ۱۸۵۲ء کو انبیٹھہ[1] ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مجید علی اور دادا کا نام احمد علی ایوبی انصاری ہے۔

ابتدائی تعلیم:۔ پانچ سال کی عمر میں آپکے نانا مولانا مملوک علی نانوتوی نے آپ کی بسم اللہ خود ہی شروع کرائی۔ اس کے بعد قصبہ کے ایک مکتب میں قرآن مجید پڑھا۔ ابتدائی عربی اور فارسی کی تعلیم اپنے قصبہ انبیٹھہ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پائی۔ اپنے چچا مولانا انصار علی صاحب کے ہمراہ گوالیار بھی گئے چند کتابیں ان سے بھی پڑھیں پھر انبیٹھہ واپس آکر مولانا سخاوت علی صاحب سے کافیہ تک کی کتابیں پڑھیں۔

۱۲۸۳ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی تو آپ وہاں چلے گئے اور کافیہ کی جماعت میں شریک ہوئے۔

اعلیٰ تعلیم:۔ چند ماہ بعد مظاہرالعلوم سہارنپور میں آکر مختصر المعانی والی جماعت میں داخلہ لے لیا اور باقی کتب (مع دورۂ حدیث) مظاہر علوم ہی میں پڑھیں۔ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء کو انیس سال کی عمر میں سند

---

[1] انبیٹھہ ضلع سہارنپور کا ایک قدیم اور تاریخی قصبہ ہے جو سہارنپور سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر جنوب کی طرف ہے۔

فراغت حاصل کی۔ صحاح کی اکثر کتب آپ نے اپنے حقیقی ماموں مولانا محمد مظہر صاحب مدرس اول مظاہر علوم سے پڑھیں.

سلسلہ اسناد یہ ہے "خلیل احمد عن مولانا محمد مظہر عن مولانا مملوک علی عن رشید الدین عن الشاہ عبد العزیز عن الشاہ ولی اللہ"

مولانا محمد مظہر صاحب نے بخاری شریف شاہ محمد اسحاق صاحب سے بھی پڑھی ہے۔ یہ سند اور بھی متصل ہے۔ ان کے علاوہ آپ کو شیخ احمد زحلان المہاجر مکیؒ مولانا شاہ عبد الغنی مہاجر مدنیؒ، مولانا سید البرزنجی اور مولانا عبد القیوم بڈھالویؒ سے بھی اجازتِ حدیث حاصل تھی۔

تدریس:۔ فراغت کے فوراً بعد مظاہر علوم میں بطور معین مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ مگر علم کی شائق طبیعت نے آپ کو مشہور عالم اور ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م ۶ فروری ۱۸۸۷ء) صدر مدرس شعبۂ عربی اورینٹل کالج لاہور کی خدمت میں پہنچا دیا۔ یہاں آپ نے ان سے علوم ادبیہ کی تکمیل کی۔ وہاں سے واپسی پر آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کو قاموس کا اردو ترجمہ کرنے کیلئے مصوری پہاڑ پر بھیج دیا۔ مصوری کے قیام کو چند ہی ماہ گزرے تھے کہ منگلور کے مدرسہ عربیہ میں آپ مدرس اول بنا کر بھیج دیئے گئے۔

لہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور مظاہر علوم کے مولانا محمد مظہر صاحب دونوں آپ کے حقیقی ماموں اور استاد ہیں۔

اس کے بعد بھوپال بہاولپور، بریلی اور دارالعلوم دیوبند میں (۱۳۰۸-۱۳۱۴ھ) میں درس و تدریس کی خدمات انجام دینے کے بعد ۵ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم" میں بطور صدر مدرس آپ کا تقرر ہوا۔

ابتدائی کتابوں سے لیکر صحاح تک آپ کے زیر تدریس رہیں ۔ ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم کے سرپرست بنا دیئے گئے، کامل ۳۱ سال تک مظاہر علوم میں یکسوئی کے ساتھ گزار کر علوم دینیہ کی خدمت میں صرف کرکے ۱۳۴۴ھ میں ساتویں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ تقریباً ۲ سال وہاں قیام فرماکر ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۴۶ھ چہار شنبہ کو مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے، نماز جنازہ شیخ محمد طیب مدرس مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ نے پڑھائی۔

صوفیانہ مسلک :- آپ نے قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور تکمیل سلوک کر کے حضرت گنگوہیؒ کے پہلے خلیفہ ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ آپ کو ۱۲۹۷ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بھی خلافت عطا فرمائی۔ اور پھر آپ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ آپ کے خلفاء میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مظاہر علوم، حافظ قمر الدین امام مسجد سہارنپور، مولانا عبد اللہ گنگوہی (صاحب اکمال الشیم) حاجی محمد حسین صاحب حبشی (مکہ معظمہ) حاجی فخر الدین صاحب (غازی آباد) مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی (مقیم کانپور) اور مولانا رشید احمد صاحب مدرس انجمن ہدایۃ الرشید قصبہ گروٹ، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مولانا ظفر احمد تھانوی اور مولانا محمد زکریا شامل ہیں۔

تصنیفی خدمات :- (۱) ہدایات الرشید الی افحام العنید ایک عجیب

کتاب ہے۔ ۱۳۳۶ھ میں طبع ہوئی ۸۸۸ صفحات ہیں۔

(۲) مطرقۃ الکرامۃ علی مرآۃ الامامہ! حصہ اوّل مطبوعہ ۱۳۲۰ھ صفحات ۱۴۳، حصہ دوم (غیر مطبوعہ)

(۳) تنشیط الاذان فی تحقیق محلِ اذان! خطبۂ جمعہ کی اذان خارج مسجد ہو یا داخل مسجد۔ آپ کے قلم سے یہ اسی کا محققانہ جواب ہے اس میں اذان فی المسجد کے جواز کو منقح کیا گیا ہے۔ مطبوعہ صفحات ۳۲ ہیں۔

(۴) المھند علی المفند! اس کتاب کا معروف نام التصدیقات لدفع التلبیسات ہے۔ مطبوعہ ۱۳۲۵ھ، صفحات ۷۲،

(۵) براہین قاطعہ علی ظلام الانوار الساطعۃ! یہ کتاب مولوی عبدالسمیع رامپوری کی "انوار ساطعہ" کا علمی جواب ہے۔ مطبوعہ ۱۳۰۴ھ، صفحات ۲۷۹۔

(۶) اتمام النعم۔ (عبرت و موعظت سے بھرپور) یہ "تبویب الحکم" کا اردو ترجمہ ہے جو آپ نے ۱۳۱۳ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حکم سے کیا تھا۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں یہ کتاب سالکین کی تربیت کے لئے مخصوص اہمیت رکھتی تھی۔ فن تصوف کی یہ اہم کتاب حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے، مطبوعہ صفحات ۲۰۴۔

لہ فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: مشاہیر علماء ۱۹۷۶ء، ج ۱، ص ۱۶۷ تا ۱۷۰

: فیوض الرحمٰن، ڈاکٹر: حاجی امداد اللہ: ص ۱۴۵ تا ۱۶۷

مولانا رمیض احمد چاٹگامی

آپ "ھیلدر" قصبہ انوارہ ضلع چاٹگام کے رہنے والے ہیں، آپ سے حضرت مولانا ضمیرالدین صاحب کی ملاقات گنگوہ میں اس وقت ہوئی، جب آپ خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوکر گنگوہ سے چاٹگام کے لئے روانہ ہونے والے تھے۔

بڑے ذاکر و شاغل بزرگ تھے۔

آپ گنگوہ سے وطن "ھیلدر" آئے اور عزلت نشینی اختیار کی۔

ایک دفعہ مولانا ضمیرالدین صاحب آپ کی ملاقات کے لئے ھیلدر تشریف لے گئے تو ان کا بہت ہی اکرام کیا۔

ھیلدر ہی میں وفات ہوئی، اور وہیں مزار ہے۔[1]

❁

---

[1] مولوی فیض احمد: تذکرہ ضمیر: ص۲۸

حضرت مولانا الحاج المولوی روشن خان، مرادآبادی

(م ۱۹۱۱ء)

آپ حضرت مولانا قاسم العلوم صاحب سے بیعت تھے اور مولانا ہی کے بھیجے ہوئے امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ یہیں حدیث پڑھی اور اسی آستانہ پر وہ اکتساب کیا جس کا ثمرہ حصولِ نسبت و اجازتِ طریقت ہے۔ امام ربانی کے خلفاء میں صرف آپ ہی ہیں جو نسبتِ وجدی کے ساتھ نوازے گئے۔ شوق و ذوق اور ولولہ و اشتیاق کا صدور جسم کے بال بال اور بدن کے رونگٹیں رونگٹیں سے ٹپکتا ہے۔ آپ امتثالاً لامر الشیخ حضرت کی حیات ہی میں طالبین کو بیعت کرتے اور ذکر و شغل تلقین فرما کر ازدیاد سلسلہ علیہ کا ذریعہ بنتے تھے۔ آپ کے متوسلین قابل ہو ہو کر حضرت کی خدمت میں پیش کئے جاتے تو امام ربانی بہت مسرور ہوتے اور روحانی پوتوں کے حالاتِ ارجمند سُن سُن کر دل سے دعائیں دیا کرتے تھے آپ کے متوسلین کی تعداد ریاست گوالیار کے علاقہ میں زیادہ ہے اور بعض ان میں وہ صاحب نسبت بھی ہیں جن کو حضرت کی طرف سے بیعت کی اجازت مل چکی ہے مثلاً مولانا قاسم علی صاحب۔ باپ کی خوش نصیبی ہے کہ بالغ اولاد سے پیدا ہونے والی نسل بھی اپنی حیات میں دیکھ لے۔ اس لئے امام ربانی قدس سرہٗ کے خلفاء میں وہ بابرکت شیخ جس کا دامن پکڑ کر اللہ کی مخلوق وہ استعداد حاصل کرلے جس سے آئندہ کو بقاء نسل کی قوی امید ہے، میرے علم میں مولانا ممدوح ہی کا وجود باجود ہے کہ ادھر قطبِ عالم سے نسبتِ مسلسلہ حاصل کی اور ادھر کوہستان میں خلقت کو اہل اللہ بنا کر مولانا کی حیات ہی میں اس نسبت مسلسلہ کے چراغ روشن کرنے شروع کر دیئے

لہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: ج ۲ ص ۱۵۷، ۱۵۸۔ و

قاری فیوض الرحمٰن: مشاہیر علماء دیوبند: لاہور: ۱۹۷۶ء: ج ۱ ص ۹۶۔

مولانا حکیم محمد عمر صدیقی مراد آبادی لکھتے ہیں، "مولانا محمد روشن خان کے والد ماجد کا اسم مبارک میاں جی امیر خان تھا جو فارسی کے استاد تھے۔

مولانا محمد روشن خان کی عمر کا بیشتر حصہ گوالیار میں گزرا۔ گوالیار میں آپ سے بہت لوگ بیعت ہوئے۔ وہاں آپ نے سلسلۂ بیعت کے ساتھ ساتھ تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا، وہاں کی معزز شخصیتیں آپ سے ارادت و عقیدت رکھتی تھیں۔

مولانا محمد روشن خان نے دو نکاح کئے اور آپ کی دونوں بیویوں سے ایک ایک اولاد ہوئی۔ آپ کے بڑے لڑکے کا نام محمد شفیع تھا اور چھوٹے لڑکے کا احمد شفیع۔ آپ نے ان دونوں لڑکوں کو دیوبند میں تعلیم دلوائی۔ بڑے لڑکے نے درمیان میں تعلیم چھوڑ دی، احمد شفیع دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے اور گلبرگہ شریف میں مدرس ہوئے۔ وہیں ۱۹۴۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا محمد روشن خانؒ جب حج کو گئے تو مکہ معظمہ میں شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بھی شرف بیعت حاصل کیا۔

حضرت مولانا محمد روشن خان صاحبِ حال بزرگ تھے۔ جب کبھی گوالیار سے آتے تو مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مراد آبادی سے ضرور ملاقات کرتے تھے اور ان سے تازہ کلام سننے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ ان کا کلام سن کر آپ پر وجد و کیف طاری ہو جاتا تھا۔

مولانا محمد روشن خان نے یکم شوال ۱۳۲۹ھ، ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا"[1]

☆

---

[1] مولانا حکیم محمد عمر صدیقی مراد آبادی، "الفرقان، لکھنؤ" "جواہر پارے" جولائی ۱۹۷۶ء، ص ۲۱، ۲۲۔

مولانا شفیع الدین نگینوی مہاجر مکیؒ

(خلیفہ مجاز حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ)

مولانا محمد اشرف لکھتے ہیں:۔

(حضرت مولانا محمد یوسف) بنوری نور اللہ مرقدہ کے شیخِ طریقت حضرت مولانا شفیع الدین مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنھوں نے آپ کو پہلے حج کے موقع پر بیعت و خلافت سے نوازا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے مکہ میں مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی تھے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے اجل خلفاً میں سے تھے، بہت اونچی نسبت والے تھے۔ ۵۴ سال مکہ میں قیام رہا، اور روزانہ، سردی، گرمی، بارش، دھوپ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے مزار پر جایا کرتے تھے، ان سے پہلے سفرِ حج میں، میں نے بیعت کے متعلق درخواست کی تو انھوں نے فرمایا کہ "میری مجلس میں آیا کیجیو" میں ان کی مجلس میں جایا کرتا تھا، پھر انھوں نے مجھے بیعت کیا اور ساتھ ہی مجھے اپنا مجاز بیعت بھی بنایا، ان کی مجلس میں مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا،

(یادداشت محررہ ۱۷۔۸۔۷۳ء)

حضرت بنوری فرماتے تھے کہ ہندوستان میں دو بزرگوں حضرت مدنیؒ اور حضرت تھانویؒ سے استفادہ حاصل کرنے کے بارے میں حضرت (نگینوی) نے مجھے فرمایا تھا، چنانچہ دونوں حضرات سے فیض پایا، حضرت مدنیؒ سے اوراد و وظائف بھی لئے اور حضرت تھانویؒ سے مکاتیب اور صحبت کے ذریعہ استفادہ کیا۔

مولانا بنوری فرماتے ہیں، پھر حج کو جانے کا اتفاق ہوا، مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ سید محمد شفیع الدین ایک بزرگ ہیں ان کو ضرور دیکھیں، آپ مکہ معظمہ میں مولانا

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ روزانہ حاجی صاحب کے مزار پر جاتے اور باقی اکثر اوقات کعبہ مبارکہ پر نظر جمائے رکھتے، بیٹھے بیٹھے سوتے اور جاگتے تاکہ نظر کعبہ مبارکہ سے ہٹ نہ جائے، اسی میں پیر بھی ماؤف ہو گئے۔ پھر اپنے مکان کی کھڑکی سے کعبہ مبارکہ کو دیکھا کرتے تھے۔ انھوں نے ۵۴ سال مکہ معظمہ میں گزارے[1]۔

خلفاء آپ کے خلفاء میں علامہ سید محمد یوسف بنوری کے علاوہ مولانا شاہ عبدالعزیز دُعاجو دہلوی کا بھی نام آتا ہے[2]۔

*

---

[1] مولانا محمد اشرف : مراسلہ : بینات : کراچی : ج ۳۲ ص ۵۱۔

[2] عزیز الکلام : سوانح حضرت شاہ عبدالعزیز دُعاجو، ص ۱۷

مولانا صادق الیقین کرسوی

۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء

شیخ العالم الصالح صادق الیقین بن سراج الیقین حنفی کرسوی فقہ وحدیث کے سرکردہ علماء میں سے تھے۔ ضلع لکھنؤ کے ایک قصبہ "کرسی" میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم علاقہ میں حاصل کی، پھر دیوبند چلے گئے اور وہاں درسی کتابیں مولانا محمود حسن دیوبندی اور دیگر علماء سے پڑھیں، پھر گنگوہ جاکر شیخ رشید احمد حنفی گنگوہی سے حدیث پڑھی وہیں ان سے بیعت ہوئے اور "خلافت" پائی۔ ۱۳۲۳ھ میں حجاز کا سفر کیا۔ والد بھی ہمراہ تھے اور حج کیا، ۳ محرم ۱۳۲۴ھ کو مکہ مکرمہ میں وصال ہوا اور "معلاۃ" میں دفن کیے گئے۔ صدق، اخلاص، مجاہدہ میں بلند ہمتی، زہد اور پاکبازی میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے، بہت عبادتگذار تھے۔ اپنے شیخ مولانا رشید احمد گنگوہی سے بلا کی محبت وعقیدت تھی۔[۱]

مولانا محمد سراج الیقین لکھتے ہیں و کتب متوسطہ آپ نے مولانا حکیم محمد حسین مانکپوری سے پڑھیں اور باقی کتب درسیہ تفسیر اور فقہ اور منطق وغیرہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب سے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں پڑھیں اور حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے پڑھی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ طبیب بھی تھے، علم طب آپ نے حکیم عبدالعزیز لکھنوی سے پڑھا تھا۔ طبیب حاذق تھے۔

بیعت اوّل آپ نے خاندانِ قادریہ رزاقیہ میں فقیر (مولانا شاہ محمد سراج الیقین) کے ہاتھ پر کی اور اس درگاہ کی سجادہ نشینی اور خلافت آپ کو سپرد کی گئی، پھر جب ۱۳۱۰ھ میں

---

[۱] مولانا حکیم عبدالحی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد: ۱۹۷۰ء ج ۸ ص ۱۸۶ (عربی سے اردو)

بمعیت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب حج کو تشریف لے گئے تو وہاں فقیر کی اجازت سے شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت کی اور فوائد صحبت حاصل کئے اور حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب کی معیت میں جناب شیخ القراء قاری عبداللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں چھ ماہ علم قرآت اور تجوید حاصل کیا اور مدینہ منورہ میں شیخ علی ظاہر محدث مدینہ سے حدیث کی اجازت اور سندلی، بعد واپسی سفر حجاز کے گنگوہ جا کر آپ نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہیؒ سے بیعت کی اور پندرہ سال تک آپ سے استفادہ علوم طریقت کا کرتے رہے اور نعمت خلافت سے مشرف ہوئے، زمانہ سلوک میں سخت مجاہدات اور ریاضات کئے ہیں، جہینوں گنگوہ میں رات رات بھر بیدار رہتے اور غذا مقدار قلیل میں کھاتے، حضرت مولانا کی آپ پر خاص توجہ اور شفقت تھی اور آپ کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز فرمایا "مجھ میں اور مولوی صادق الیقین میں کچھ فرق نہیں"، ایک دوسرے موقع پر مولانا محمد یحییٰ کے سوال پر ارشاد فرمایا کہ "میں نے اپنے تمام مجمع میں دو ادب چھانٹے ہیں، ایک تم کو دوسرے مولوی صادق الیقین کو۔

آپ اتباع سنت اور پابندی شریعت کے بے حد عاشق اور شیدا تھے، آپ کی استعداد فارسی میں بھی نہایت کامل تھی اور خط نستعلیق کے خوشنویس تھے۔ چند کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔

شوال ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ آپ نے ہجرت فرمائی اور بعد حج مکہ معظمہ میں ۱۳۲۴ھ میں واصل بحق ہوئے، آپ کا مرقد جنت المعلیٰ میں "شعبۃ النور" کے اندر حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے مزار مبارک کے قریب ہے۔

اولاد شاہ واثق الیقین موصوف الصدر کے چھوٹے فرزند اور جانشین ہیں، آپ شہر لکھنؤ فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ میں کتب عربیہ درسیہ پڑھ رہے ہیں، اللہ ان کی عمر میں برکت اور ترقی دے، آمین۔

لہ مولانا سراج الیقین، شمس العارفین: لاہور، بلا تاریخ صفحہ ۹۴: ۹۵۔

مولانا صدیق احمد انصاری انبہٹوی

—۱۹۲۵ء

مولانا محمد ثانی حسنی لکھتے ہیں:۔

"شاہ احمد علی کے چھوٹے صاحبزادے شاہ حبیب محمد کے بلند پایہ فرزند رشید مولانا صدیق احمد صاحب تھے جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا مولانا انصار علی صاحب کی خدمت میں رہ کر حاصل کی، اس کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے ساتھ تعلیم دین میں مشغول ہوئے، اور انہیں کے ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا صدیق احمد صاحب کی والدہ ماجدہ بی امۃ اللہ بنت سید حسن عسکری شہید[1] تھیں جن کو حیا و پاکدامنی، غیرت و حمیت اور دینداری اپنے والد سے ورثہ میں ملی تھی۔

مولانا صدیق احمد صاحب دیوبند سے فراغت کے بعد اسی مدرسے میں مدرس ہو گئے۔ اس

---

[1] سید حسن عسکری کا وطن قصبہ رام پور منہیاراں ضلع سہارنپور تھا، ان کی شادی انبہٹہ میں انصاری خاندان میں ہوئی تھی۔ مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر ان کے بڑے معتقد تھے، وہ بادشاہ کے پیر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں بغاوت کے الزام میں انگریزوں کا ان پر بھی عتاب ہوا، وہ دہلی سے انبہٹہ آکر روپوش ہو گئے۔ ان کے داماد شاہ حبیب محمد جو مولانا صدیق احمد صاحب کے والد تھے اور ان کے سارے بھائیوں نے وفاداری کا ثبوت دیا، جب پولیس آئی تو سارے بھائی گرفتار ہو گئے اور پناہ گیر شاہ حسن عسکری کی موجودگی کی خبر تک نہ کی، شاہ حسن عسکری نے یہ حال دیکھا تو خود حاضر عدالت ہو گئے اور اپنے کو سپرد کر دیا۔ انگریزوں نے ان کو پھانسی دے دی۔

(محمد ثانی حسنی: حیات خلیل ۱۳۲ حاشیہ)

کے بعد مالیر کوٹلے میں مفتی کے عہدے پر سرفراز کیے گئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کو آپ سے بہت تعلق اور محبت تھی، آپ کے نام ایسے خطوط تحریر فرماتے جن کے پڑھنے سے آپ کے مرتبے کی بلندی اور معرفت و سلوک میں آپ کے درجے کا علم ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: "آپ کا خط آیا موجب فرحت و سرور ہوا، الحمد للہ علی احسانہ کہ آپ کو اس ذات پاک نے اپنا بنایا اور اپنی نسبت عطا فرمائی، ظاہر باخلق باطن باحق کیا، کجا خود شکر ایں نعمت گذارم۔ یہ سب عنایات پاک پروردگار تعالیٰ شانہ کی ہیں، آپ کا حال حضرت سلمہٗ (حاجی امداداللہ مہاجر مکی) کی خدمت میں عرض کیا تھا، وہاں سے حکم آیا کہ اجازت اخذ بیعت و تلقین دینا چاہیئے۔" اس طرح کے تقریباً ۱۵ خطوط ہیں جو مکاتیب رشیدیہ میں مندرج ہیں۔ مولانا صدیق احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی نعمتوں سے پوری طرح نوازا تھا، سخاوت و فیاضی، صلہ رحمی کا بڑا جذبہ عطا ہوا تھا۔ باوجود کثیر العیال ہونے کے اپنے خاندان اور وطن کے نادار لوگوں اور یتیموں کی ہمیشہ مدد کرتے رہے، ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا۔ انتقال سے پہلے زبان پر ذکر جاری تھا۔

مولانا صدیق احمد صاحب نے اپنی یادگار میں جو اولاد چھوڑی، ان میں مولانا فاروق احمد زیادہ مشہور تھے جو ریاست بہاولپور میں شیخ الحدیث رہے، ان کے علاوہ، مولوی شفیق احمد اور مولوی جمیل احمد دو اور صاحبزادے تھے، ایک صاحبزادی تھیں جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی بہو تھیں۔

اولاد کے علاوہ تین بھائی تھے، منیر احمد، سلطان احمد اور مولانا انوار احمد۔[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں: "حضرت مولانا الحاج المولوی صدیق احمد صاحب انبیٹھوی مدرس اول مدرسہ فتح پوری دہلی مدت فیوضہ — آپ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے چچا زاد بھائی اور ہم وطن

---

[1] مولانا محمد ثانی حسنی: حیات خلیل: لکھنؤ: ص۳۴۔

ہیں، چونکہ آپ کو قدرت نے مولانا ممدوح کے تحصیل مراتب واکتساب قربات کا بالطبع حریص بنایا تھا اس لئے بمقتضائے وفی ذلك فلیتنافس المتنافسون بچپن میں تعلیم دینیات کے اندر اور جوانی میں حفظِ قرآن کے اندر آپ نے مولانا کا جس طرح ساتھ نہیں چھوڑا، اسی طرح امام ربانی کے ہاتھ پر بیعت ہونے اور آخر صاحبِ نسبت ومجاز طریقت بننے میں بھی آپ مولانا کے ہمراہ وہم سفر رہے، آپ کی بابرکت ذات صاحبِ احوال بلند وارادت ارجمند ہے.... آپ کے مناقب میں صرف یہ امر لاکھوں مناقب کے قائمقام ہے کہ حضرت امام ربانی نے جب آپ کو مجاز فرمایا تو وہ دستارِ خلافت جو اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے حضرت امامِ ربانی کو عطا فرمائی اور اب تک آپ نے بحفاظت رکھ چھوڑی تھی مولانا کو عطا فرمائی، یہ وہ نعمت تھی جس میں مولانا اپنے زمانہ میں فرد اور یگانہ ہیں[1]۔"

مولوی سید محمد شاہد لکھتے ہیں:۔

"اس سال ۴۴ ۱۳ھ کے اہم واقعات میں سے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مجاز حضرت اقدس گنگوہی ومفتی ریاست مالیر کوٹلہ کا حادثۂ انتقال ہے۔ مولانا ممدوح کو مدرسہ کے ساتھ جو والہانہ تعلق تھا وہ محتاج بیان نہیں، ابتدائی تعلیم میں مہارت کاملہ کی بناء پر سالہا سال تک مدرسہ مظاہر علوم اور دارالعلوم دیوبند کے شعبہ ابتدائی کے ممتحن خاص بنے رہے اور خاص اسی مقصد کے لئے ریاست مالیر کوٹلہ سے تشریف لاتے، طلبہ کے ساتھ تعلق ومحبت اور ان کو اپنا گرویدہ بنانے میں اپنی نظیر آپ ہی تھے، خود فرمایا کرتے تھے، ایک بار مجھ سے کہا گیا، پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ میں نے دریافت کیا کہ مجھ پر یہ انعامات کیوں ہوتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ مخلوق اور طلبہ پر شفقت کیوجہ سے[2]۔"

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بیماری اور انتقال کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید : ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۷۔

[2] سید محمد شاہد : تاریخ مظاہر : ج ۲ ص ۹۱۔

"جولائی ۱۹۲۵ء میں حسب معمول مع اہل و عیال وطن آکر موسم انبہ کے ختم پر ستمبر میں واپس ہوئے تو گردن و شانہ کے درمیان خفیف درد ہو گیا، جس کا علاج اول یونانی ہوا اور اس سے نفع نہ ہونے پر ڈاکٹری، چنانچہ چند روز بعد درد جاتا رہا۔ پنجشنبہ ستائیس صفر ۱۳۴۴ھ کو داڑھی میں مہندی کا خضاب لگایا اور غسل کر کے کپڑے بدل کر بعد از نماز عصر معالج کا شکریہ ادا کرنے کے لئے چلے، دروازہ میں آکر کچھ ضعف معلوم ہوا اور وہیں بیٹھ گئے، ذرا دیر ہمت فرما کر اٹھے اور ڈاکٹر صاحب کی توجہ کا شکریہ ادا کر کے گھر آئے، کھانا کھایا اور مغرب کی نماز پڑھی، مسجد سے واپسی پر پھر ضعف محسوس ہوا کہ چلتے چلتے ٹھہر گئے اور پھر ہمت کر کے مکان کے بالا خانہ پر حسب عادت جا لیٹے۔ عشاء کی نماز کو پھر مسجد میں آئے اور باجماعت ادا فرما کر مکان پہنچے، حسب معمول آخر شب کے لئے پانی بھر کر لوٹا رکھا، کوٹھڑی کو جس میں آپکی مختصر اشیاء ضروریہ رکھی رہتی تھیں قفل لگایا اور گیارہ بجے کے قریب چارپائی پر لیٹ رہے، مگر آرام نہ آیا تو بے چین ہو کر اٹھ بیٹھے اور ذکر جہر شروع کر دیا، فرمایا سینہ میں درد محسوس ہوتا ہے آپ کے صاحبزادہ مولوی شفیق احمد نے سینکنا شروع کیا، مگر دیکھا کہ آواز پست ہوتی جا رہی ہے۔

اب ذکر کی آواز اتنی کمزور ہو گئی کہ بدشواری سنائی دیتی تھی، بارہ بجے شب دفعۃً بلند آواز سے "اللہ" کہا اور روح رفیق اعلیٰ سے جا ملی، اگلے دن جمعہ کو مالیر کوٹلہ کے گورستان میں دفن ہوئے اور اس طرح پر ایک نماز قضا کئے بغیر چند لمحات میں آخرت کا کٹھن سفر ختم فرمالیا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر آنکہ زلیست بہ ناچار بایدش نوشید
ز دورِ جام مئے کل من علیہا فان ؏ [1]

"تذکرۃ الخلیل" میں ہے کہ آپ ۱۳۰۲ھ کو حج کے لئے روانہ ہوئے، حضرت گنگوہی سے

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الخلیل : کراچی ص ۲۲۷۔

اجازت لینے گنگوہ آئے تو انھوں نے دعائیں دیں۔

ایک مرتبہ زمانہ طالب علمی میں سخت بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ روضہ پاک پر حاضر ہیں اور بڑے شوق سے سلام پڑھ رہے ہیں کیا دیکھتے ہیں کہ اچانک دروازہ کھلا اور سلام پڑھتے ہوئے اندر داخل ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی تو پھر صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا، حضرتؐ نے ان کی طرف رُخ فرما کر پوچھا کیا ہے؟ عرض کی کہ حضرت بیماری کی وجہ سے میرا پڑھنا رہ گیا، میرے لئے دُعا فرما دیجئے کہ صحت ہو جائے۔ فرمایا "تو اچھا ہے یا اچھا ہو گیا" اس کے بعد آنکھ کھل گئی، صبح کو اٹھے تو آرام تھا، والد حکیم کے پاس لے گئے تو انھوں نے کہا کہ آپ کا لڑکا بالکل اچھا ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اپنا استعمال کیا ہوا کُرتہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے پاس بھیجا کہ خلفاء میں جس کو اس کا مستحق سمجھیں دے دیں، حضرت امام ربانی نے وہ کرتہ صدیق احمد صاحب کو مرحمت فرمایا۔

مرزا قادیانی نے اس وقت مجدد کا دعویٰ کیا تھا، اس کے عقیدت مندوں اور علماء کے مجمع میں اس سے بات کی تو لاجواب ہو گیا اور بہت سے لوگوں کا اس کی طرف سے اعتقاد جاتا رہا، آپ مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی کے چچا زاد بھائی تھے اور مولانا مفتی فاروق احمد کے والد۔

مولانا عاشق الٰہی لکھتے ہیں،

"مولانا صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے چچا زاد بھائی اور ہم عصر تھے کہ بچپن میں آپ ہی کے ساتھ کھیلے اور پڑھے، مولانا صدیق احمد کو حضرت خلیل احمد صاحب کے ساتھ ابتداء سے ایک منافست (یعنی رغبت میں برابری)

لہ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الخلیل، کراچی، ص ۲۲۶۔

کا مضمون رہا، جو کام حضرت کرتے وہی آپ کرتے۔[1]

تدریس دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ۱۲۹۰ھ میں تدریس پر مامور ہوتے اور ۱۲۹۲ھ تک پڑھاتے رہے، پھر گلاوٹھی میں بھی کام کیا، آخر میں ریاست مالیر کوٹلہ کے مفتی رہے مگر اس دوران میں بھی تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ فتح پوری دہلی کے مدرس اول بھی رہے ہیں (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۵۶)

مولانا صدیق احمد دارالعلوم دیوبند اور متحدہ ہندوستان کے مشہور علماء و مشائخ میں سے تھے۔ ان کا نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ سے جا ملتا ہے۔

اولاد میں ایک مولانا مفتی فاروق احمد تھے جو جامعہ عباسیہ بہاولپور کے شیخ الحدیث تھے۔ انھوں نے ۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی تھی اور علامہ شبیر احمد عثمانی ان کے ہم درس تھے، ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کے منصب پر فائز رہ کر اعلیٰ خدمات انجام دیں، ۲۷ رمضان ۱۳۹۵ھ بوقت ۱۱ بجے دن ان کا بہاولپور میں انتقال ہوا۔ ان کی اولاد میں مولانا عثمان احمد اور مولانا محمد احمد دو فرزند اور چار دختران ہیں۔[2]

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں:۔

"حضرت مولانا خلیل احمد کے چچیرے بھائی تھے، انبیٹھہ وطن تھا۔ ۱۲۸۳ھ میں اپنے بھائی حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے ساتھ دارالعلوم میں داخل ہوتے اور ۱۲۹۲ھ میں یہاں سے فراغت حاصل کی، کچھ مدت تک دارالعلوم میں معین المدرسین رہے۔ ان کا طرزِ تعلیم بہت سہل اور آسان تھا۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ میں مہارتِ تامہ حاصل تھی، بالخصوص صرف و نحو میں

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الخلیل: کراچی: ۱۹۷۱ء ص ۲۱۸،

[2] قاری فیوض الرحمٰن، مشاہیر علماء دیوبند، لاہور: ۱۹۷۶ء ج ۱ ص ۳۸۸۔

ید طولیٰ حاصل تھا۔ مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی اور مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی میں مدرس رہے آخر میں مالیر کوٹلہ میں ریاست کی جانب سے افتاء کا عہدہ تفویض ہوا۔ ان کا شمار مشاہیر اہل افتاء میں ہوتا تھا۔ مالیر کوٹلہ میں زندگی بھر افتاء کے منصب پر فائز رہے۔

حضرت گنگوہی سے سلوک و معرفت کے مقامات طے کئے۔ حضرت گنگوہی نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:۔

"طریق سلوک میں اصل مقصود احسان ہے سو وہ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو حاصل ہے"

بالآخر حضرت گنگوہی سے اجازت بیعت حاصل ہوئی۔ صاحب بیعت و ارشاد اور صاحب کشف بزرگوں میں سے تھے۔ ان کا زہد و تقویٰ مسلم تھا معاصرین میں صاحب اسرار و معارف سمجھے جاتے تھے، مدت تک مظاہر علوم سہارنپور اور دار العلوم دیوبند کے ممتحن رہے مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد انہی سے تربیت باطنی حاصل کی۔

تاریخ وصال ۲۸؍ صفر ۱۳۴۴ھ شب جمعہ ہے۔ مالیر کوٹلہ میں آپکو سپرد خاک کیا گیا۔[1]

---

[1] سید محبوب رضوی: تاریخ دیوبند: ج ۲ ص ۳۵ -

مولانا حکیم صدیق احمد کاندھلوی

— ۱۹۲۱ء

آپ حکیم رحیم اللہ صاحب کے پوتے اور منشی عبدالرحیم صاحب کے فرزند تھے۔ حکیم رحیم اللہ صاحب کاندھلہ کے رؤسا اور مشہور زعماء میں سے تھے۔ حکیم صاحب موصوف کا سلسلۂ نسب قاضی حکیم ضیاء الدین سنامی تک جا پہنچتا ہے اور آگے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک۔ آپ نے درسِ نظامی کی تکمیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے کی۔ انہی سے حدیث شریف پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی، آپ نے باقاعدہ علم طب کی تحصیل بھی کی۔ فراغت کے بعد ذریعۂ معاش کے لئے اپنے خاندانی روایات کو اپنایا، طبابت کے ساتھ زمیندار بھی تھے، اس کے ساتھ آپ کا حلقۂ تدریس اور حلقۂ ارشاد بھی تھا۔ آپ گھر پر ہی پڑھاتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا عقیل احمد، مولانا جلیل احمد، مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی اور مولانا محبوب الٰہی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حدیث و فقہ میں آپ کو دستگاہ کامل تھی۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ "جزئیات فقہ کا جس قدر استحضار حضرت مولانا صدیق احمد کاندھلوی کو ہے بہت کم کو ہے"۔ تصانیف میں "مسائل ابو حنیفہ" کے نام سے دلائل ابو حنیفہؒ بھی مرتب کئے تھے جن میں سے آپ کے فرزند مولانا محمد علی کاندھلوی نے ۱۹۳۰ء میں صرف کتاب الطہارۃ نقل کی تھی وہ عربی میں اب بھی ان کے پاس قلمی صورت میں محفوظ ہے۔ آپ عیدین اور جمعہ کے خطیب بھی تھے اور علاقہ کے مفتی تھے، خلافت کمیٹی کے صدر تھے، سیاسیات میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے ہمنوا تھے۔ آپ کی وفات ۱۹۲۱ء میں اس وقت ہوئی جب تحریکِ خلافت شباب پر تھی، اپنے پیچھے چار لڑکے، مولانا حکیم محمد عمر، مولانا حکیم محمد عثمان، مولانا محمد علی اور مولانا بشیر احمد اور دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔

❁

مولانا ضمیر الدین احمد اسلام آبادی

۱۲۹۶ - ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء

کہا جاتا ہے کہ آپ کے پردادا غالباً عہدِ جہانگیری میں کلکتہ یا دلی سے ترک وطن کر کے خطۂ چاٹگام کے شمالی علاقے مقام شوابیل میں آباد ہو گئے تھے اور وہ تین بھائی تھے، سرج میر، وعظ میر، غیاث میر۔

وعظ میر کے دو فرزند تھے، تراب الدین اور امیر الدین۔ آگے تراب الدین کے دو فرزند تھے، وعظ الدین (لاولد) اور نور الدین، یہی نور الدین آپ کے والد ہیں، آپ اپنے والد کے تیسرے فرزند ہیں، آپ کے دو بھائی رحیم داد اور زیب الحسن بھی تھے۔ آپ ۱۲۹۶ھ کو پیدا ہوئے آپ کہیں ملازم تھے، اسی دوران ایک خواب دیکھا اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے کی درخواست کی، جس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا "میاں پہلے علوم شرعیہ سے آراستہ ہو جاؤ، اور ظاہر کو درست کر لو، پھر میرے پاس حاضر ہو جانا، بغیر علوم شرعیہ کے علم طریقت ہرگز ہرگز وہ مقامات و مدارج طے نہیں کر سکتا جو علم شریعت کے بعد کر سکتا ہے"۔

اس ارشاد پر سیدھے دارالعلوم دیوبند پہنچے، مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے اپنی طرف سے خورد و نوش کا انتظام کر دیا، ابتدائی تعلیم اپنے ہم وطن طالب علم مولوی حافظ افاض الدین سے حاصل کی، کافیہ، کنز وغیرہ کی فراغت کے بعد باقاعدہ دارالعلوم میں داخلہ ہو گیا، چھ سال کی قلیل مدت میں درس نظامیہ کی تکمیل ہوئی، مدرسہ کے اوقات کے علاوہ کئی کتابیں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن سے پڑھیں، دورۂ حدیث مولانا محمود حسنؒ سے پڑھا۔

صوفیانہ مسلک

فراغت کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پہنچے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، علمی استفادہ بھی کرتے رہے، ذکر اذکار پابندی

سے شروع کردیئے۔ اور تین سال کے عرصہ میں روحانی اسباق کی تکمیل کرکے چاروں سلسلوں کی خلافت حاصل کی۔ یہ شعبان ۱۳۲۲ھ کی بات ہے۔ اسی عرصۂ قیام میں آپ کی ملاقات مولانا رمیض احمد ہیلدری سے ہوئی۔ یہ بھی آپ کے ہم وطن اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے۔

تدریسی خدمات

واپس وطن آئے اور مولانا افاضل الدین کے ہمراہ مدرسہ بی بیر ہاٹ فتکچری میں مدرس ہوئے۔ پھر دارالعلوم معین الاسلام ہاٹھزاری سے تعلق رہا، یہ آپ کی زندۂ جاوید یادگار ہے۔ آخر میں آپ کے شاگرد عزیزالحق نے "درسگاہ ضمیری" کی بنیاد رکھی، یہ سب ادارے بڑی کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں، پھر دارالعلوم ہاٹ ہزاری میں مستقل قیام کیا اور اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں، ۲۵ سال کے قریب تدریس کرتے رہے۔ تلامذہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، آسام، بنگال اور برما کے ہزاروں آدمی آپ کے حلقہ بگوش ہوئے، پھر رنگون تشریف لے گئے اور وہاں سے برما، پھر چاٹگام میں آکر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ دارالعلوم ہاٹ ہزاری کی عالی شان مسجد کے صحن میں آخر عمر تک اصلاحی خدمات انجام دیں۔

وصال

آپ کا ۲۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ کو وصال ہوا اور ہاٹ ھزاری میں تدفین ہوئی۔

ممتاز تلامذہ

آپ کے شاگردوں کی صحیح تعداد تو خدا ہی کو معلوم ہے، ان میں سے چند ممتاز تلامذہ یہ ہیں:-

مولانا فیض اللہ مفتی اعظم مشرقی پاکستان، مولانا احمد حسن ساکن جیری و مہتمم مدرسہ عربیہ چاٹگام، مولانا عبدالوہاب خلیفہ مجاز حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی و مہتمم دارالعلوم ہاٹھزاری مولانا شاہ عبدالمجید مدار شاہی، مولانا محمد اسماعیل مہتمم مدرسہ ناصرالاسلام فتح پور، مولانا محمد یعقوب شیخ الحدیث دارالعلوم ہاٹ ہزاری، مولانا محمد سکندر خلیفہ مجاز حضرت ضمیرالدینؒ مولانا محمد امین محدث مدرسہ بابونگر چاٹگام، مولانا نور احمد مہتمم مدرسہ نصیرالاسلام ناظر ہاٹ مولانا ابوالقاسم کمرالی، مدرسہ بربورہ وغیرہم۔

آپ کے تلمیذ مولانا مفتی فیض اللہ نے اپنے فارسی رسالہ "قندِ خاکی" میں مندرجہ ذیل دو شعر پیش کیے ہیں جن سے ان کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہوتی ہے۔ ؎

سرپرستش قطبِ عالم آں ضمیر — فیض یاب از وی صغیر و ہم کبیر
اولیاء را سرور و ہم پیشوا — اتقیاء را ہادی و ہم مقتدا

تصانیف آپ کی تصانیف میں آپ کا ایک مجموعہ وعظ "بے نظیر" حال ہی میں کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اور یہ آپ کی طالب علمی کے زمانہ کا ہے۔

اولاد اولاد میں قاری مصطفےٰ، حافظ احمد سعید، حافظ مولوی احمد رشید، مولوی احمد عتیقؒ ہیں، مولانا مفتی عزیز الحق کی روایت ہے کہ ایک دفعہ مولانا علیم الدین صاحب مدارشاہی نے حضرت سے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کے بارے میں کہا کہ نامعلوم! لوگ دو بیبیاں جمع کر کے عدل کس طرح کرتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ جن لوگوں میں قوت مردمی ہو وہ ایک بیوی پر صبر کس طرح کر سکتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کو نہیں کہتا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں بھی آپ کو نہیں کہتا۔

یاد رہے کہ مولانا ضمیر الدین صاحب کے ہاں ایک سے زائد بیویاں تھیں۔

درسگاہِ ضمیری اس کے بانی آپ کے خلیفہ مولانا مفتی شاہ عزیز الحق صاحب ہیں انھوں نے اردو نظم میں اس کی تاریخ لکھی ہے۔ چند شعر یہ ہیں۔ ؎

یہ رشیدی باغ ہو اور قاسمی گلزار ہو — یہ ضمیری فیض کا اک خوشنما دربار ہو
پرتوافگن ہو یہاں پر فیض امدادِ الٰہ — سرپرستی حبیبی قافلہ سالار ہو
از توجہاتِ اشرف ہو عروجِ مدرسہ — برکت و فیض سعیدی دستگیر و یار ہو
حسن تدبیر حبیبی برکت احمد حسن — ہمت قلب ودودی رونق گلزار ہو

لہ تفصیل کے لئے مولانا فیض احمد کی کتاب "تذکرۂ ضمیر" کا مطالعہ کیجئے۔

اتباعِ سنّت احمد ہو اس کی رنگ و بو — حق تعالیٰ کے خریداروں کا یہ بازار ہو
ہو نظامِ مدرسہ زیرِ لوائے مصطفیٰؐ — حق تعالیٰ کی ہدایت پیشوائے کار ہو
اے خدا اس دورِ ظلمت میں تری یہ درگاہ — مطلعِ انوار ہو پھر مظہرِ اسرار ہو
علمِ ربانی کا یہ غارِ حرا و طور ہو — اس میں عرفانِ کلیمی احمدی انوار ہو
خوشہ چینانِ ضمیری اسکے ہیں انصارِ خاص — یا الٰہی حشر ان کا در صفِ انصار ہو
سیزدہ صد ہشت پنجاہ است سال ابتدا — تا قیامت اے خدا یہ مدرسہ دُربار ہو
بانیٔ ناکارہ اس کا ہے عزیز الحق ضعیف — فضل سے تیرے الٰہی بیڑا اس کا پار ہو

خلفاء

۱۔ مولانا اسکندر

آپ خرندیپ چاٹگام کے رہنے والے ہیں، ابتدائی تعلیم دارالعلوم ہاٹ ہزاری میں شروع کر کے درجۂ تکمیل تک پہنچے، اسی دوران حضرت مولانا ضمیرالدین صاحب سے بھی اصلاح کا تعلق رکھا، آخر حضرت کی طرف سے مجاز ہوئے۔

مقام خرنہ میں قیام تھا، یادِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے، دمہ کے مریض تھے، ۱۳۶۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

۲۔ مولانا امجد مدار شاہی

مدار شاہ ہاٹ ہزاری کے رہنے والے تھے۔ ابتداء سے لے کر آخر تک تعلیم دارالعلوم ہاٹ ہزاری میں حاصل کی، ایامِ جوانی میں حضرت شیخ ضمیرالدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور آخر میں ان کے مجاز ہوئے، آپ کاشت کار تھے، بڑے سوز والے بزرگ تھے، انتقال ہو چکا ہے۔

۳۔ مولانا محمد موسیٰ بابونگری

بابونگر فٹکچھری کے رہنے والے ہیں اور بڑے صاحب دل اور باکمال بزرگ ہیں۔

۴۔ مولانا حافظ الرحمٰن عیسیٰ پوری

آپ عیسیٰ پور فٹکچری کے رہنے والے ہیں دار العلوم ہاٹ ہزاری میں تعلیم حاصل کر کے فراغت حاصل کی، حضرت شیخ سے بیعت ہوئے اور ان کی طرف سے خلافت ملی، درسگاہ ضمیریہ کی خدمت انجام دیتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

۵۔ مولانا قاری ابراہیم خلیل

آپ عرصہ تک دار العلوم ہاٹ ہزاری میں فن تجوید و قرأت کے صدر مدرس رہے۔ حضرت سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی، آپ بڑے ماہرِ فن قاری ہیں۔ فی الحال مدرسہ چاندپور میں مقیم ہیں،

۶۔ مولانا محمد یونس

آپ اتر میکھل ہاٹ ہزاری کے رہنے والے ہیں، دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں، آپ کو طالب علمی کے دور میں ہی حضرت کی طرف سے خلافت ملی، آپ درسگاہ ضمیریہ کے منتظم ہیں، بڑے منتظم اور خاکی مزاج بزرگ ہیں۔

۷۔ مولانا عبد القیوم گہروی

آپ گھیرہ راؤجان کے رہنے والے ہیں۔ آپ کو بھی طالب علمی کے دوران ہی حضرت کی طرف سے خلافت ملی، آپ دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں،

حضرت شیخ کی کوشش سے دار العلوم ہاٹ ہزاری میں مدرس ہوئے۔ فی الحال دار العلوم معین الاسلام ہاٹ ہزاری کے صدر المدرسین ہیں، آپ بڑے بردبار صاحب علم فاضل ہیں،

۸۔ مولانا حافظ الرحمٰن ہاٹہزاری

آپ دیوان نگر ہاٹ ہزاری کے رہنے والے ہیں، دار العلوم ہاٹ ہزاری میں تعلیم حاصل کی پھر مظاہر علوم سہارنپور سے سند الفراغ حاصل کی، حضرت سے بیعت ہوئے اور ایام طالب علمی میں حضرت کے مجاز ہوئے۔ دار العلوم ہاٹ ہزاری کے اعلیٰ درجہ کے مدرس ہیں،

۹۔مولانا علیدالرحمٰن

آپ مدارشاہ کے رہنے والے ہیں، دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو کر حضرت سے بیعت ہوئے اور خلعت خلافت سے سرفراز ہوئے، آپ عرصہ تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہے، ان کے وصال کے بعد درسگاہ ضمیریہ کے نائب رہے، اب خزنہ پٹیہ کے ناظم ہیں،

۱۰۔مولانا احمد

مہرہ چاٹگام میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کی، ۱۴سال کی عمر میں مدرسہ اسلامیہ جیری میں داخلہ لیا اور وہیں سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے۔اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر ایک سال فنون کی کتابیں پڑھیں، تکمیل درس حدیث کی خاطر ڈابھیل گئے۔اور وہاں امام العصر مولانا انور کشمیری سے حدیث پڑھی، پھر حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ہاں چھ ماہ قیام کیا اور روحانی تربیت حاصل کی، وہاں سے واپس آکر مدرسہ اسلامیہ جیری میں پانچ سال تدریس کی، پھر شرف باٹہ مدرسہ میں سات سال تک پڑھاتے رہے، وہاں سے درسگاہ ضمیریہ میں چلے آئے، یہاں آپ شیخ الحدیث اور ناظم ہیں، حضرت شیخ سے بیعت ہونے کے ۱۸ ماہ بعد خلافت ملی آپ بڑے اچھے فاضل اور ادیب ہیں۔

۱۱۔ حضرت مولانا عبدالجبار مومن شاہی۔

۱۲۔ " " محی الدین " " ۔

۱۳۔ " " عبدالعزیز چاندپوری۔

۱۴۔ " " سلطان احمد مگناموی مرحوم۔

۱۵۔مولانا مفتی عزیزالحق صدیقی

آپ ۱۳۲۳ھ میں "چرکناتی" کے ایک مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام مولانا نوراحمد ہے۔ مدرسہ کنگرام اور مدرسہ جیری میں تعلیم حاصل کی، مدرسہ جیری کے شیخ الحدیث مولانا عبدالودود سے بہت استفادہ کیا۔

یہاں سے تکمیل کے بعد ایک سال مظاہر علوم سہارنپور میں مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری سے تعلیم حاصل کی، دوسرے سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوتے، چھ ماہ تک وہاں کے اساتذہ سے پڑھتے رہے۔ علالت کی وجہ سے دیوبند سے تھانہ بھون چلے آئے اور حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بلا بیعت استفادہ کرتے رہے۔ ۱۳۴۵ھ میں وطن واپس آکر مدرسہ جیری میں مدرس ہوئے۔ ۱۵ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، آپ جامع عالم ہیں، تصانیف میں "علم العروض فی نظم الفروض" اور کئی اور تصانیف ہیں،

۱۳۵۳ھ میں حضرت مولانا ضمیر الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی اور تکمیل سلوک کر کے خلافت حاصل کی۔

آپ درسگاہ ضمیریہ پٹیہ کے بانی ہیں۔ آپ اردو، فارسی اور عربی کے شاعر بھی ہیں، اپنے شیخ کی مدح میں فارسی کے ایک قصیدہ کے چند شعر ملاحظہ ہوں: ؎

خار را گلزار کردی حضرتا — نور را انوار کردی حضرتا

دانہ را انبار کردی حضرتا — قطرہ را انہار کردی حضرتا

رہنمودی صاحب اوزار را — داخل ابرار کردی حضرتا

رہنمودی طالب دیدار را — واصل دلدار کردی حضرتا

بر عزیزؔ دل شکستہ بے ہنر — شفقت بسیار کردی حضرتا

✤

مولانا حافظ عبدالرحمٰن پوربیؒ

حافظ عبدالرحمٰن پورب کے رہنے والے تھے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مولانا نورالحسن کاندھلوی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ حدیث کی تکمیل حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی سے کی۔ بعد فراغت تعلیم حضرت محدث سے بیعت ہوتے اور استفادۂ باطنی کیا، اور چند روز میں صاحب نسبت ہو گئے۔ حضرت گنگوہی نے ان کو اجازت بیعت عطا فرمائی تھی۔ مولانا حکیم مسعود احمد صاحب نے آپ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ گنگوہ میں وفات پائی [1][2]

ٍ

---

[1] مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی : تبرکات،

[2] قاری فیوض الرحمٰن : مشاہیر علمائے دیوبند : لاہور : ۱۹۷۶ء جلد اول ص ۲۷۶۔

مولانا عبد الرّحیم رائے پوری

—۱۹۱۹ء

آپ راؤ اشرف علی خان راجپوت کے فرزند تھے۔ تگری، ضلع انبالہ مشرقی پنجاب آپ کی جائے پیدائش ہے۔ آپ کے والد ایک بڑے زمیندار اور نیک دل انسان تھے۔ وہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے جان نثار خدام میں سے تھے۔ اور انہوں نے رائے پور[1] کو اپنا مسکن بنا لیا تھا۔

ابتدائی تعلیم تگری میں حاصل کی پھر باقی عربی اور فارسی کی تعلیم رامپور اور مظاہرِ علوم سہارنپور میں حاصل کی اور چند کتابیں[2] مولانا خلیل احمد سہارنپوری (مہاجر مدنی رح) سے بھی پڑھی تھیں۔

صوفیانہ مسلک زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت شاہ عبد الرحیم سہارنپوری (خلیفہ مجاز مولانا عبد الغفور صاحب سوات) سے بیعت ہوئے اور ان سے خلافت حاصل کی۔ اس زمانہ میں بھی مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں عقیدت و محبت کے ساتھ حاضری کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ حضرت عبد الرحیم سہارنپوری رح کے وصال کے چار سال بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح سے بیعت ہوئے اور بیعت کے ساتھ ہی مجاز طریقت بنا دیئے گئے[3]

---

[1] سہارنپور سے کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔
[2] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الخلیل کراچی: ص ۲۳۵
[3] " " " " : تذکرۃ الرشید: ج ۲ ص ۱۵۶

مولانا سراج الیقین لکھتے ہیں کہ "آپ بھی بہت بڑے عالم ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اجل خلفاء میں سے ہیں"۔ [۱]

مولانا سید حسین احمد مدنی لکھتے ہیں کہ "حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نہایت بزرگ و متقی اور باخدا تھے۔ حضرت گنگوہی کے خلیفہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر اور مولانا محمود حسن شیخ الہند کے نہایت معتمد تھے... دونوں حضرات یکجان دو قالب ہو گئے۔ حضرت شیخ الہند حجاز جانے لگے تو انہیں کو اپنا قائم مقام بنا گئے ... افسوس کہ ہماری اسارتِ (قید) مالٹا کے زمانہ ہی میں حضرت رائے پوری کا وصال ہو گیا جس کی خبر مالٹا ہی میں ہم کو پہنچی۔ اس پر (مولانا محمود حسن) شیخ الہند کو بہت صدمہ ہوا تھا اور عرصہ تک رہا۔ ان کے مرثیہ میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا جو کہ آپ کے قصائد (کلیات شیخ الہند) میں چھپ چکا ہے"۔ [۲]

مولانا سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا علمِ ظاہری و باطنی کے جامع، زہد و توکل، صبر و قناعت اور وسعتِ اخلاق میں اپنے زمانے میں بینظیر تھے۔ فیوض و برکات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کی جانب خاص توجہ تھی۔ تعلیم قرآن کے بہت سے مدارس آپکی توجہ سے جاری تھے۔ استفادۂ باطنی کرنیوالے حضرات کا ہر وقت ہجوم رہتا تھا۔ غرض ظاہر و باطن کے دونوں سلسلے آپکی ذاتِ گرامی سے قائم تھے۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ / ۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء کو اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو رحلت فرمائی"۔ [۳]

---

[۱] مولانا سراج الیقین: شمس العارفین: لاہور: بلا تاریخ: ص ۸

[۲] مولانا سید حسین احمد مدنی: نقشِ حیات: دیوبند، ۱۹۷۴ء: ج ۲ ص ۲۰۲ تا ۲۰۵ (ماخوذ)

[۳] سید محبوب رضوی: تاریخ دارالعلوم دیوبند: دہلی ص ۲۵۱-۲۵۲

"رائے پور کے جس باغ میں آپ رہتے تھے اسی باغ میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔"[1]

مظاہر علوم سہارنپور کے تین سرپرستوں (مولانا محمود حسن، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالرحیم رائے پوری) میں ایک نام آپ کا بھی تھا۔

تحریک ریشمی رومال میں بھی نمایاں حصہ لیا اور مولانا محمود حسن شیخ الہند کے سفر حرمین شریفین اور پھر مالٹا کی قید کے دوران میں ان کے قائمقام رہے، تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری لکھتے ہیں:۔

"مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب نہایت اعلیٰ وارفع و کامل و مکمل بزرگ تھے اور ولی باصفا اور صاحب حال اکابرین میں سے تھے کشف بہت زیادہ ہوتا تھا لیکن کتمان حال کا یہ عالم کہ کسی کو ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔"[2] "موت کا بہت شوق تھا، بڑے ذوق سے فرمایا کرتے کہ "جب اللہ تعالیٰ وہ وقت نصیب فرمائے تو سنت کے مطابق تجہیز و تکفین کرنا"۔ ایک دن فرمایا "کوئی عمل تو ہے نہیں، خبر نہیں موت کا شوق کیوں ہے"۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے صدیقین کا مرتبہ عطا فرمایا ہے فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"[3]

مولانا عبدالرحیم رائے پوری کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی طرف سے بھی بیعت کرنے کی اجازت حاصل تھی۔[4]

---

[1] مولانا عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند: کراچی: ۱۹۶۴ء: ص ۳۴۰-۳۴۱

[2] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری لکھنؤ بت ص ۴۲ بحوالہ ملفوظات مولانا عبدالقادر رائے پوری [4] فیوض الرحمٰن ڈاکٹر: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور انکے خلفاء: کراچی: نشریات اسلام: ۱۹۸۴ء: ص ۱۸۹-۱۹۳ ۔ فیوض الرحمٰن ڈاکٹر مشاہیر علماء لاہور۔ ۱۹۷۶ء: ج ا ص ۲۸۱ تا ۲۸۷ : اکبر شاہ بخاری: اکابر دیوبند: لاہور: ابت ص ۶۱ تا ۶۴

مولانا عبدالودود بنگالی

۱۳۰۸ - ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء

آپ سندیپ، چاٹگام کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم دارالعلوم ہاٹھزاری میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہاں سے سند الفراغ حاصل کی۔ حدیث شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے پڑھی۔ فراغت کے بعد مدرسہ عربیہ جیری چاٹگام میں تدریس پر مامور ہوئے اور اب اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

آپ علم و عمل کے جامع ہیں اور فیوض و برکات کا سرچشمہ ہیں۔

آپ کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے علما سیراب ہوتے ہیں۔ ان میں مولانا مفتی شاہ عزیز الحق خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1]۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "دوسرا سانحہ مشرقی پاکستان میں پیش آیا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے بلاواسطہ شاگرد، عالم باعمل، مدرسہ اسلامیہ جیری ضلع چاٹگام کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا عبدالودود صاحب ۱ شعبان ۱۳۸۸ھ کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں وفات پاگئے۔

ماشاء اللہ ان کے صاحبزادے بھی صاحب علم ہیں، دوسرے مدارس میں مشغول درس ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو اپنے والد کا صحیح جانشین بنائیں اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرما دیں اور مرحوم کو مغفرت کاملہ سے نوازیں اور درجات عالیہ عطا فرمائیں[2]۔

❖

---

[1] تذکرہ کا مواد "تذکرہ ضمیر" سے ماخوذ ہے۔

[2] مولانا مفتی محمد شفیع: البلاغ، کراچی، رمضان ۱۳۸۸ھ صفحہ ۴۳۔

مولانا حافظ قمر الدین سہارنپوری

—— ۱۹۱۵ء

آپ ۱۲۸۷ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اساتذہ میں مولانا سعادت علی اور مولانا سخاوت علی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ فراغت کے بعد "مظاہر علوم" میں قرآن شریف کے استاذ مقرر کیے گئے اور بعد میں جامع مسجد سہارنپور کی امامت کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد کی گئی جسے آپ نے آخر تک نبھایا۔ مولانا محمد ثانی لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان و یقین اور تعلق مع اللہ کی دولت سے خوب نوازا تھا، عبادت و ریاضت میں امتیازی شان رکھتے تھے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے بیعت کا تعلق رکھتے تھے اور آخر میں حضرت ہی سے اجازت و خلافت کا شرف حاصل کیا لیکن اخفاء کا یہ عالم تھا کہ کسی کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔

حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے تعلق پیدا کیا اور اصلاح لی اور بہت جلد اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔

حافظ قمر الدین صاحب غالباً حضرت سہارنپوری کے اولین خلفاء میں تھے کہ وہ یکساں طور پر دونوں بارگاہوں (بارگاہ رشیدی اور بارگاہ خلیلی) سے تعلق رکھتے تھے۔ آخر عمر میں سات سال تک شدید طور پر بیمار رہے اور فالج کا شکار رہے مگر نماز کی پابندی کا یہ حال تھا کہ

خدّام کرسی پر بٹھا کر مسجد میں صف اول میں بٹھا دیا کرتے تھے تکبیر اولیٰ کا اتنا خیال اور اہتمام رہتا تھا کہ کوئی نماز تکبیر اولیٰ کے بغیر نہیں پڑھی۔ ۲۷ محرم ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۱۵ء کی شب میں تہجد کے وقت انتقال فرمایا اور اس آخری شب کی آخری نماز بھی باوجود سخت معذوری کے حسب معمول تکبیر اولیٰ کے ساتھ اپنی کرسی پر جماعت سے پڑھی ۔"[۱]

جن لوگوں نے زیر نظر کتاب کی جلد اوّل دیکھی ہے ان پر مخفی نہ ہوگا کہ مدرسہ کے ابتدائی دور میں ایک بزرگ شخصیت جناب الحافظ الحاج قمر الدین صاحب کی بھی تھی جو باوصف اپنے زہد و تقویٰ عالم باعمل اور بارگاہ رشیدی سے مجاز بیعت ہونے کے مدرسہ کے معاون اور اس کا درد فکر رکھنے والے تھے، قیام مدرسہ کے بعد حضرت مولانا سعادت علی صاحب نے سب سے پہلے عربی تعلیم حضرت حافظ صاحب ہی کو شروع کرائی تھی اور تعلیم سے فراغت پر پھر اسی مدرسہ کے ہو رہے تھے کہ مدرس اول درجہ قرآن شریف اور خطیب جامع مسجد سہارنپور مقرر ہوئے اور تاحیات اس خدمت کو انجام دیتے رہے آخر زمانے میں ضعف و پیری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے ۔ آرام کرسی پر مسجد میں آمد و رفت ہوا کرتی تھی لیکن نماز ایک وقت کی بھی فوت نہ ہوئی حتیٰ کہ اپنی زندگی کی سب سے آخری نماز، نماز عشاء صفِ اوّل میں پڑھی اور تہجد کے وقت ستائیس محرم کی شب میں انتقال فرمایا ۔ حق تعالیٰ غریق رحمت فرمائے کہ بہت سی خوبیوں کے مالک اور بہت سے محاسن اپنے اندر رکھتے تھے"[۲]

---

[۱] مولانا محمد ثانی حسنی : حیات خلیل ، لکھنو : بلا تاریخ : ص ۸۰، ۸۱

[۲] مولوی محمد شاہد : تاریخ مظاہر ، سہارنپور ۱۹۷۲ء : ج ۲ ص ۱۵ ۔

مولانا حکیم محمد اسحاق میرٹھی

۱۸۶۴ — ۱۹۵۴ء

آپ کٹھور ضلع میرٹھ کے خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے تھے۔
۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم میرٹھ میں اپنے چچا مولانا کفایت علی سے حاصل کی پھر مدرسہ عالیہ فتح پوری میں پڑھنے کے بعد مولانا احمد حسن امروہی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۰۸ھ میں شیخ الہند مولانا محمود حسن اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ آپ حضرت شیخ الہند کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہیں۔

طب کی تعلیم حکیم عبدالمجید خان دہلوی اور حکیم عبدالعزیز خاں لکھنوی سے حاصل کی۔

پہلے کٹھور اور میرٹھ میں مطب رہا مطب کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ نبض کے موضوع پر فارسی میں ایک ضخیم کتاب بھی لکھی ہے جو طبع نہیں ہو سکی۔

اپنے وطن میں عیدگاہ اور جامع مسجد تعمیر کروائی۔ میرٹھ میں بھی ایک نہایت خوشنما مسجد بنوائی۔

عقد بیوگان میں آپ کی کوششیں قابلِ قدر تھیں۔ ملی اور سیاسی تحریکوں میں بھی حصّہ لیا۔

دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے (۱۳۴۴ھ-۱۳۷۴ھ) تک ممبر رہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اور تکمیل کے بعد خلافت حاصل کی۔ مولانا سید حسین احمد مدنی سے بڑی بے تکلفی تھی۔

۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء کو وصال ہوا اور وطن مالوف میں دفن کئے گئے۔

اولاد آپ نے اپنی وفات کے وقت پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں جن کے نام یہ ہیں۔

حکیم سید محمد الیاس، حکیم سید محمد ادریس، حکیم سید محمد صالح، سید محمد یامین، سید محمد زبیر۔ امۃ العزیز جن کی شادی حکیم سید شفیق احمد کھٹوری سے حکیم صاحب نے اپنی حیات میں کر دی تھی اور قدوس فاطمہ جن کی شادی سعید احمد ایم اے سے ہوئی۔

تاریخ وفات جناب مولانا مولوی محمد اسحٰق = حکیم و حاذق والحاج صاحب نسبت ذکر تاریخ وفاتش چو کرد رشید = زغیب گفت ہاتف کہ گو فخرے علم و حکمت

۲ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ/ ۳، اکتوبر ۱۹۵۴ء

یوم شنبہ بوقتِ عشا۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس ۱۹۱۷ء میں قصبہ کھٹور میں ایک مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا جس کے مدرس اول مولانا الحاج سید محمد صدیقؒ تھے، اور مولانا حکیم سید محمد اسحٰقؒ صاحب مہتمم —— یہ مدرسہ اب بھی علم الٰہی کی خدمت کر رہا ہے۔

علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۱۸۷۶ء ——— ۱۹۳۴ء)

آپ ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ، ۱۸۷۶ء کو کشمیر کے ایک معزز گھرانے میں مولانا سید معظم شاہ صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ ۴ سال کی عمر میں اپنے والد صاحب سے قرآن مجید شروع کیا، غیر معمولی ذہانت و ذکاوت اور بے مثل قوتِ حافظہ ابتدائے عمر سے موجود تھی چنانچہ ڈیڑھ سال کی قلیل ترین مدت میں قرآن مجید کے ساتھ فارسی کی چند ابتدائی کتابیں ختم کر کے علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ مولانا غلام محمد ساکن صوفی پورہ سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی، ۱۴ سال کی عمر میں ضلع ہزارہ کے مرکزی مدارس میں رہ کر تین سال تک مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم ۱۳۰۸ھ، ۱۸۹۱ء کو دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور چار سال بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر تکمیل کی۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سندِ حدیث کے علاوہ باطنی فیوض سے بھی مستفیض ہوئے۔ آپ حضرت گنگوہی کے خلفاءؒ میں سے تھے۔

تدریس کچھ عرصہ تک دہلی اور وطن میں درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بطور مدرس عربی آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۳۴ھ، ۱۹۱۵ء میں قائمقام صدر مدرس مقرر فرمائے گئے۔ پھر ۱۳۳۸ھ، ۱۹۱۹ء میں مستقل صدر مدرس ہوئے اور اوائل ۱۳۴۵ھ، ۱۹۲۶ء تک صدر مدرس رہے، اس بارہ سالہ مدت میں آپ سے حدیث

ؒ روایت مولانا محمد انوری لائلپوری فاضل دیوبند۔

پڑھ کر ۸۰۹ طلبہ نے فراغت حاصل کی۔

۱۳۴۶ھ کے اوائل میں دارالعلوم کے اہتمام سے بعض اختلافات کے باعث فرائض صدارت سے دست کش ہوکر جنوبی ہند کے مدرسہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے اور ۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء تک وہاں درس حدیث کا مشغلہ جاری رہا۔

تصانیف (۱) آپ کی ایک درجن سے زائد تصانیف ہیں صحیح بخاری کی تقریر فیض الباری (عربی) (مطبوعہ، چار ضخیم جلدوں میں) ہے، جسے آپ کے قابل شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے مرتب فرمایا ہے۔

(۲) العرف الشذی، شرح ترمذی ۲ جلدوں میں (۳) ضرب الخاتم (۴) عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام (۵) التصریح بما تواتر فی نزول المسیح (۶) خزائن الاسرار اور (۷) شرح ابوداؤد ۲ جلدوں میں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

وصال بیمار ہوکر دیوبند (جسے آپ اپنا وطن بنا چکے تھے) چلے آئے اور ۳، صفر ۱۳۵۲ھ ۲۹ مئی ۱۹۳۴ء میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے وصال پر علامہ سید سلیمان ندوی نے جو تعزیتی نوٹ لکھا اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

"دین و دانش کی دنیا کا مہر انور ۳، صفر ۱۳۵۲ھ (۲۹ مئی ۱۹۳۴ء) کی صبح کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ...... مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور ہوتی ہے، وہ وسعت نظر، قوتِ حافظہ اور کثرتِ حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے علومِ حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علومِ ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر و سخن سے بہرہ مند اور زہد و تقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام اعلیٰ کرے کہ مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ و قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظہ کے بادشاہ اور وسعتِ علمی کی نادر مثال تھے، ان کو زندہ کتب خانہ

کہنا بجا ہے، شاید ہی کوئی کتاب مطبوعہ ہو یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو۔[1]

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ: "شاہ صاحب اگر ایک طرف اپنے معاصرین میں تبحر علمی کے لحاظ سے اپنا ثانی نہ رکھتے تھے تو دوسری جانب زہد و تقویٰ میں بھی ان کی ذات بے مثل تھی، وہ ایک باکمال مفسر، محدث، فقیہہ اور فلسفی تھے، آدمی میں ایک کمال کا ہونا بھی کم نہیں ہوتا مگر ان کی دستارِ کمال میں متعدد لعل آویزاں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے وجود سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا تھا، تشنگانِ علوم کی جس کثیر تعداد نے اس بحر العلوم سے سیرابی حاصل کی وہ اپنی مثال آپ ہے، روم سے لے کر چین تک ان کے فیضان علمی کا سیلاب موجیں مارتا رہا، اور ہند و بیرون ہند کے ہزاروں تشنگانِ علوم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی، ہند، عرب، ایران، افغانستان، چین، مصر، جنوبی افریقہ اور انڈونیشیا میں بکثرت آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں، قدرت کی جانب سے حافظہ ایسا عدیم النظیر بخشا گیا تھا کہ ایک مرتبہ کی دیکھی ہوئی کتاب کے مضامین و مطالب تو درکنار عبارتیں تک مع صفحات و سطور کے یاد رہتیں۔"[2]

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ دار العلوم دیوبند کے مایۂ ناز علماء میں سے مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری بھی ہیں جو ذہانت و فطانت، قوتِ حافظہ، تقویٰ و زہد اور وسعتِ علم کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے..... شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ مصر کے مشہور عالم علامہ رشید رضا جب دیوبند آئے تو ان سے بہت متاثر ہوئے۔[3][4]

---

[1] سید سلیمان ندوی: یادِ رفتگان: کراچی ۱۹۵۵ء، ص۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱۔

[2] سید محبوب رضوی: تاریخ دیوبند: دہلی: تاریخ طباعت ندارد، ص۱۵۲۔

[3] بے ساختہ بار بار کہتے تھے ما رایت مثل ھذا الاستاذ الجلیل، کہ میں نے اس جلیل القدر استاد جیسا کوئی عالم نہیں دیکھا۔

[4] تاریخ ادبیات عربی: لاہور پنجاب یونیورسٹی دوسری جلد ص۴۰۸، ۴۰۹۔

مولانا قاری محمد طیّب قاسمی آپ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"آپ حضرت شیخ الہند کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں، علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے، آپ تمام علوم منقولات ومعقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قوتِ حافظہ میں یگانۂ روزگار تھے۔ کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف ہیں، آپ کا درسِ حدیث اپنے دور کا مشہور درس تھا جو ایک خاص امتیازی طرز لئے ہوئے تھا، آپ کے تبحر علمی نے درسِ حدیث کو جامع علوم وفنون بنا دیا تھا، آپ کے درس نے نقل وروایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لئے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آج بھی نمایاں علماء اور صاحبِ طرز فضلاء زیادہ تر آپ ہی کے تلامذہ ہیں جو ہندو پاک میں علمی مسندوں کو آراستہ کئے ہوتے ہیں۔ آپ کے یہاں ردِّ قادیانیت کا خاص اہتمام تھا، اور اس فتنہ کو اعظم الفتن شمار کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں کئی معرکۃ الآرا کتابیں خود بھی تصنیف فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں۔ اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے اور کوئی بھی اپنا نوشتہ لاکر سناتا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار فرما کر دعائیں دیتے تھے۔ تقریباً ۱۳۲۷ھ سے آپ نے دارالعلوم میں درس کا آغاز فرمایا، ۱۳۳۴ھ سے ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم کے صدر مدرس رہے اس دوران تقریباً ایک ہزار طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، جن میں سے آپ کے دورِ صدر مدرسی میں ۸۰۹ طلبہ نے درسِ حدیث لیا اور فنِ پاک کو تقریراً وتحریراً اور درساً وتدریساً دور دور تک پھیلایا۔"[1]

سید محبوب رضوی لکھتے ہیں کہ "علامہ اقبال مرحوم کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسلام سے جو شغف پیدا ہو گیا تھا، اس میں شاہ صاحب کے فیضانِ صحبت کو بھی بڑا دخل حاصل ہے علامہ موصوف نے اسلامیات میں شاہ صاحب سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا، چنانچہ علامہ

---

[1] مولانا قاری محمد طیب: دارالعلوم دیوبند ۱۹۶۵ء ص ۶۵، ۶۶۔

اقبال مرحوم آپ کا بے حد احترام کرتے اور عقیدت و محبت کے جذبات کے ساتھ شاہ صاحب کی رائے کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ مختلف اسلامی مباحث پر عربی اور فارسی میں ایک درجن سے زائد تصانیف جو نہایت معرکۃ الآراء مسائل پر مشتمل ہیں زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ان سے کہیں زیادہ کتابیں طباعت کی منتظر ہیں[1]"

القصیدۃ الانوریّۃ فی مدح خیر البریّۃ

۱۔ تبارک من أسریٰ و اعلیٰ لعبدہٖ	إلی المسجد الأقصیٰ الی الملاء الاعلیٰ
۲۔ الی سبع أطباق الی سدرۃ کذا	إلی رفرفٍ ابھی الی نزلۃ اخریٰ
۳۔ وسوی لہ من حفلۃ ملکیۃ	لیشھد من ایات نعمۃ الکبریٰ
۴۔ براق لیساوی خطوہ مد طرفہٖ	اتیح لہ واختیر فی ذلک المسری
۵۔ وابدی لہ طیّ الزمان فغاتہ	رویدًا عن الاحوال حتاہ ما اجری
۶۔ ھنا موطن فوق الزمان ثباتہ	علیٰ حالۃٍ لیست بہ غیر نتری
۷۔ وکانت لجبریل امینٍ سفارۃٌ	الی قاب قوسین استوی ثم ما اقصیٰ
۸۔ اذا خلف السبع الطباق وراءہٖ	وصادف ما اولی لرتبۃ المولیٰ
۹۔ نعوطا ئر القدس المنیع لشأنہ	خوافیہ تطوی موطن السر اواخفی
۱۰۔ وکان عیانًا یقظۃ لا یشوبہ	منامٌ ولا قد کان من عالم الرؤیا
۱۱۔ قد التمس الصدیق ثم فلم یجد	وصحح عن شداد البیھقی کذا
۱۲۔ رای ربہ لما دنا بعنوٰ ادہ	ومنہ سری للعین مازاغ لا یطغیٰ
۱۳۔ رای نورہ أنّی یراہ موءمّلٌ	واُوحی الیہ عند ذاک بما اُوحیٰ

---

[1] سید محبوب رضوی، تاریخ دیو بند: دہلی ۱۹۵۵ء۔

۱۴- بحثنا فآل البحث اثبات رؤیتہٖ	لحضرتہ صلّی علیہ کما یرضٰی
۱۵- وسلم تسلیما کثیرًا مبارکًا	کما بالتحیات العلی ربہ حیّٰ
۱۶- کما اختارہ الحبر ابن عم نبینا	واحمد من بین الائمۃ قد قوّٰی
۱۷- فقال اذا ما المروزی استبانہ	راٰہ رای المولٰی فسبحان من اسرٰی
۱۸- رواہ ابوذر بأن قد رأیتہ	وانی اراہ لیس للنفی بل ثنیا
۱۹- نعم رؤیۃ الرب الجلیل حقیقۃٌ	یقال لہا الرؤیا بالسنۃ الدنیا
۲۰- والا فمرأی جبریل عوادۃٌ	ولیس بدیلعا شکلہ کان او اوفٰی
۲۱- وذلک فی التنزیل من نظم نجمہ	اذا ما رعی الراعی ومغزاہ قد وفّٰی
۲۲- وکان ببعض ذکر جبریل فالسرّٰی	إلی کلہ والطول فی البحث قد عنّٰی
۲۳- وکان الی الاقصٰی سرٰی ثم بعدہ	عروجًا بجسم ان من حضرۃ اخرٰی
۲۴- عروجًا الی ان ظللتہ ضبابۃٌ	ولخیثی من الانوار ایاہ ما یغشٰی
۲۵- ولیسمع للاقلام ثم صریفھا	ولیشھد عینًا مالہ الرب قد سوّٰی
۲۶- ومن عض فیہ من ھنات تفلسف	علٰی جرفٍ ھارٍ یقارف أن یردٰی
۲۷- کمن کان من اولاد ماجوج فادعی	نبوتہ بالغیّ والبغی والعدوٰی
۲۸- ومن یتبع فی الدین اھواء نفسہٖ	علٰی کفرہٖ فلیعبد اللات والعزّٰی

نعتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱- شفیعٌ مُطاعٌ نبیٌ کریمٌ	قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیمٌ
۲- شفیع الانام مطاع المقام	کریم الکرام نبی الامم

لہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری: القاسم، دیوبند محرم ۱۳۴۳ھ ص ۳۲ و ربیع الاول ۱۳۴۴ھ ص ۳۳، ۳۴

۳- أسيلٌ رسيلٌ كحيلٌ جميلٌ صبيحٌ مليحٌ مطيبُ الشّميمِ
۴- مقاضِ الجبين كبدرٍ مبينٍ بثغرٍ بسيمٍ كدرٍ يتيمِ
۵- شفاءُ العليل دواءٌ الغليل ببشرِ الحيا ولنشرِ لخيمِ
۶- رسول وصول وليٌ خفي امينٌ مكينٌ عزيزٌ عظيمٌ
۷- صدوقٌ فزوقٌ فصيحٌ نصيحٌ عروفٌ عطوفٌ رؤفٌ رحيمٌ
۸- شفيقٌ رفيقٌ خليقٌ طليقٌ صفوحٌ نصوحٌ عفوٌ حليمٌ
۹- مجيبٌ، منيبٌ، نقيبٌ نجيبٌ حسيبٌ نسيبٌ و نورٌ قديمٌ
۱۰- بشيرٌ نذيرٌ سراجٌ منيرٌ خبيرٌ بصيرٌ دليلٌ عظيمٌ
۱۱- دليل وهادٍ سبيل الرشاد وخير العباد ثمال العديمِ
۱۲- تقيٌ نقيٌ صفيٌ وفيٌ وجيهٌ نبيهٌ مبينٌ حكيمٌ
۱۳- هدى مقتدىٰ مصطفى الاصفياءُ صبورٌ شكورٌ مفقٌ مقيمٌ
۱۴- ومُزَمّلٌ ثمّ مُدّثِرٌ سعيدٌ رشيدٌ خليلٌ كليمٌ
۱۵- عفيفٌ حنيفٌ حبيبٌ خطيبٌ هو القدوة الاسوة المستقيمِ
۱۶- نبی النبيين والمرسلين وظلٌ ولينٌ فيضٌ عميمٌ
۱۷- نبی الورٰی سيد الانبياء نجیّ الاله جليلٌ فخيمٌ
۱۸- امام الهدٰی رحمة العالمين غياث الورٰی مستغاث الهضيم
۱۹- احيدٌ وحيدٌ مجيدٌ حميدٌ وخير البرايا الفضل جسيمِ
۲۰- واسرٰی به ربه فی السماء كنورٍ تجلّٰی بليلٍ بهيمِ
۲۱- وأتاه ماشاءه من علاء واوحی اليه بوحیٍ رقيمِ
۲۲- واكرم لشانٍ سنیٍّ بهیٍّ وعزٍّ عزيزٍ وجاهٍ قويمِ
۲۳- فيارب صلِّ وسلم عليه متٰی فاح طيبٌ ووافٰی نسيمِ

۲۴- وان عافنی واعفنی من آثام　　الٰہی بجاہ النبی الکریم

"نظم عربی"

مشتمل بر ترغیب تحصیل علم

پہلے زمانے کے عالموں کے تبحر علمی اور حافظہ وغیرہ کے حالات سن کر تعجب ہوا کرتا تھا اور بمشکل یقین آتا تھا، لیکن اس زمانے کے بے نظیر عالم مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے وجود نے اس مشکل کو حل کر دیا۔ مولانا کا حافظہ اور جامعیت علوم دیکھ کر علمائے سلف کے حالات کا بھی عین الیقین ہو جاتا ہے، مولانا ممدوح مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں۔

الا یا قوم عہد ابالدیار　　دیار قد الفتم لاذ دیار

ووقفا بالحی ثم استماعًا　　روایاتِ العنادل والقماری[2]

یتابعہا بموصول شجیّ　　ھتوفٌ من حمامٍ اوھزار

یقائُ للتربی من اُنفٍ لوردٍ　　ورندٍ اوعرارٍ او بہارٍ

تبسمت الازاھیر علیہا　　وقد بکت السحائب بالقطار

وتحدیثا واخبارًا وصدحا　　باٰثارِ الاصحاب خیار

وانباءٌ بما قد صح عنہم　　عزیزًا فی العوالی کالدراری

واسنادًا لما کنتم رویتم　　حدیثا عن قدیم فی الفخار

بمرفوع ومشہور صحیح　　کبائنا عن کبارٍ عن کبار

---

[1] مولانا محمد انوری: احادیث الحبیب المتبرکہ، لائلپور ۱۹۴۹ء ص ۳۴۳ تا ۳۸۱۔ ودار العلوم نمبر ۶۷، مولانا محمد اجمل ص ۵۲۹ تا ۵۳۱۔

[2] الردی راء والیاء وصل وقد تجی الیاء الاصلیۃ وصلاً کالیاء وصل لاروی وقد جاء عنہم ۱۲ منہ مدظلہ۔

فقد کانوا جهابذۃً کراماً — واعلاماً وارکان اقتدار
جبالاً شامخاتٍ فی المعالی — حصوناً راسخاتٍ فی الوقار
تواترت العلی عنهم فاحیوا — بلاداً بالغوادی والسواری
والفوا البعد هو للناس طرا — ماثرلا عنبار واد کار
فلا تنسی اذا احییت لقاع — قفار منۃ الدیم الغزار
فاعل النفی
وابدوا عن سنا قمر منیر — بالنار علی راس المنار
فاضحی الناس فی علو ونور — وقد وضح الطریق عن التواری
فدس الدهر تدلیسا علیها — وارسل بالخفاء علی النهار
وتابی الشمس ان یسطو علیها — ظلام باختفاءٍ واستتار

وان الصبح لا یخفی لعین
بانکار المکابر ذو نزار

القصیدۃ الغرّاء للسید الاستاذ الجهبذ مولانا انور شاہ الکشمیری مدظلہ العالی المعلم الاول فی جامعہ دار العلوم دیوبند

حیّ التحیۃ من یحیی محیّاہ — یشفی الصدور ویبشراہ وذکراہ
وانی علی طلب کالغیث فی صبب — تحیی البلاد علی آثار ممشاہ
کالشمس طلعتہ والبدر ابهتہ — وبالکرامۃ مغداہ وممساہ
ویملا الصبح حضنا عن تبتمہ — اذا تنفس عن مرأی ومعناہ

لہ قال فی الخلاصۃ ولبعضہم اہل ان حملاً علی ما اختہا حیث استحقت عملا ۱۲۔

وتحمل الريح عرفا عن كرائمه — اذا تهلل عن تبشير لقياه

ويكسب المزن فيضا عن مصادره — بمنطق الفضل اولاه واخراه

ليشنف القلب عن تبيانه دررا — يهدي السبيل لمرضاه واهداه

وينتحي الغيث ارعادا وابراقا — وينثوي الحق اقصاه واصفاه

تحفه بركاب الغيب مرتديا — مطارف الفضل والانوار تغشاه

كالقطر في كرم والنشر في شيم — على التوكل مجراه ومرساه

كالغيث في نعم والصبح في ظلم — والنجم في حكم والعلم رباه

ذاك الذي ليشتفي من لم يرج له — برء السقام اذا مسته يمناه

كالشمس في نسب والبدر في حسب — فلمغامر المجد اقصاه وادناه

ابن الامام جليل القدر قاسمهو — والطائر الصيت في ارجاء منحاه

الباهر الفضل سامي الحال ظاهره — الحجة الحافظ المشهور ذكراه

حق على الناس ان يدعوا له صعدا — فخيرهم كلهم في طول محياه

والعبد في تعب لم يوف مدحته — وشكره نعمها اولاه مولاه

لكنه يدعي اخلاص نيته — جهدا المقل دموع عند جدواه

فالله سهل في كل الشئون له — ما يرتضيه لاولاه واخراه

امين يارب تامينا يوافقه
ملائك وكما ترضى وترضاه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

أَلَا يَا عِبَادَ اللّٰهِ قُوْمُوْا وَقَوِّمُوْا خُطُوْبًا أَلَمَّتْ مَا لَهُنَّ يَدَانِ[۱]

خبردار اے خدا کے بندو تیار ہو جاؤ اور جو ناقابلِ برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں انکو درست کر دو

وَقَدْ كَانَ يَنْقَضُّ الْهُدٰى وَمَنَارُهٗ وَتَزَحْزَحَ خَيْرٌ مَا لِذَاكَ تَدَانِ[۲]

بہت قریب ہے کہ ہدایت اور نشانِ ہدایت گر جائیں اور خیر دور ہو گئی ہے جو پھر نزدیک ہونے کو نہیں ہے

يُسَبُّ رَسُوْلٌ مِّنْ أُولِي الْعَزْمِ فِيْكُمْ تَكَادُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ تَنْفَطِرَانِ[۳]

ایک اولوالعزم رسول تمہارے سامنے ذلیل کیا جا رہا ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

وَطَهَّرَهٗ مِنْ أَهْلِ كُفْرٍ وَلِيُّهٗ وَأَبْقٰى لِسَبَّابٍ بَعْضَ كُفْرٍ أَمَانِيْ[۴]

جس رسول کو حق تعالیٰ نے کافروں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک کیا اور محض دوزخ کے لئے بعض کفر جھوٹی نبوت کی خیال بندیوں کا بچہ رہ گیا۔

وَحَارَبَ قَوْمٌ رَبَّهُمْ وَنَبِيَّهٗ فَقُوْمُوْا لِنَصْرِ اللّٰهِ إِذْ هُوَ دَانِ[۵]

ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی۔ پس تم اللہ کی مدد پر کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے قریب ہے

وَقَدْ غُلِبَ صَبْرِيْ فِي انْتِهَاكِ حُدُوْدِهٖ فَهَلْ ثَمَّ دَاعٍ أَوْ مُجِيْبٌ أَذَانِيْ

خدا کی حدود توڑی جانے کی وجہ سے میرا صبر مغلوب ہو گیا۔ ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا؟

وَإِذْ عَزَّ خَطْبٌ جِئْتُ مُسْتَنْصِرًا بِكُمْ فَهَلْ ثَمَّ غَوْثٌ يَا لَقَوْمِ يُدَانِيْ

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہنے آیا۔ پس اے قوم ہے کوئی فریادرس جو میرے نزدیک ہو

---

[۱] اس شعر میں حضرت شاہ صاحبؒ کی غرض امت مرحومہ اور بالخصوص جماعت علماء کو قادیانی فتنہ کی طرف توجہ دلانا ہے۔

[۲] ہدایت اور نشانِ ہدایت گر جانے سے آیات قرآنی میں دخل فصل اور انبیاء علیہم السلام کی توہین و تذلیل کے ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

[۳] رسول اولوالعزم سے مراد یہاں حضرت عیسیٰؑ ہیں جن کی توہین و تذلیل میں مرزا قادیانی نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

[۴] اس شعر میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ہاتھوں سے مامون رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

[۵] قوم سے مراد یہاں ملاحدہ اور شیاطین کی ایک مخصوص جماعت قادیانی گروہ ہے۔

لَعَمْرِیْ لَقَدْ نَبَّهْتُ مَنْ کَانَ نَائِمًا — وَاَسْمَعْتُ مَنْ کَانَتْ لَهٗ اُذُنَانِ

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا — اور جس کے کان تھے اُس کو سُنایا

وَنَادَیْتُ قَوْمًا فِیْ فَرِیْضَةِ رَبِّهِمْ — فَهَلْ مِنْ نَصِیْرٍ لِیْ مِنْ اَهْلِ زَمَانِ

اور قوم کو اُس کے خدا کی فرض کی طرف بُلایا۔ — پس ہے کوئی زمانہ میں جو میرا مددگار ہو؟

دَعُوْا کُلَّ اَمْرٍ وَاسْتَقِیْمُوْا لِمَا دَهٰی — وَقَدْ عَادَ فَرْضُ الْعَیْنِ عِنْدَ عِیَانٖ سه

سب کو چھوڑ دو اور جو فتنہ در پیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر آنکھ کھول کر دیکھے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے۔

فَشَانِئُ شَانِ الْاَنْبِیَاءِ مُکَفَّرٌ — وَمَنْ شَكَّ فِیْ هٰذَا فَلِلْاَوَّلِ ثَانٖ ٹه

انبیاء کی توہین کرنے والا کافر ہے — اور جو اُس کے کفر میں شک کرے وہ پہلے کا دوسرا ہے

وَاَکْفَرُ مِنْهُ مَنْ تَنَبَّاَ کَاذِبًا — وَکَانَ انْتَهَتْ مَا اَمْکَنَتْ بِمَکَانِ

اور اُس سے بھی بڑھ کر وہ شخص کافر ہے جس نے جھوٹا دعویٰ نبوت کیا۔ حالانکہ نبوت ختم ہو چکی تھی۔

وَمَنْ ذَبَّ عَنْهُ اَوْ تَاَوَّلَ قَوْلَهٗ — یُکَفَّرُ قَطْعًا لَیْسَ فِیْهِ تَوَانٖ شه

اور جس نے اس کے قول کی تاویل یا طرفداری کی — وہ بھی یقیناً بلا توقف کافر کہا جائے گا۔

کَاَنِّیْ بِکُمْ قَدْ قُلْتُمُوْا لِمْ کُفْرُهٗ — فَهَاکُمْ نُقُوْلًا اُجْلِیَتْ لِمَعَانٖ ئه

غالباً تم مجھ سے پوچھو گے وہ کیوں کافر ہے؟ تو تم لے لو نقلیں اُس کے کفر کی جو باتوفیق کیلئے ظاہر ہیں۔

سه ان اشعار میں اس فتنہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام فتنوں سے بڑھ کر یہ فتنہ ہے۔ اس کے انسداد کی فکر ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

ٹه اس شعر میں مرزا کے کفر کی وجوہات میں سے ایک وجہ کفر سمجھایا گیا ہے یعنی اُس نے انبیاء علیہم السلام کی توہین و تذلیل کی ہے جو اس کے کفر کی علت اور سبب ہے اور اُس کے کفر میں شک کرنے والی ایک دوسری جماعت (لاہوری) کے کفر کی بھی تصریح فرمائی ہے۔

شه کسی مدعی نبوت کے قول میں تاویل کرنا یا اس کے قائل کی تحسین کرنا بھی ویسا ہی کفر ہے جیسا کہ اس کلمۂ کفر کا کہنا کفر ہے۔ ئه اس شعر میں علامہ مرحوم کا مقصد اس امر کا سمجھانا ہے کہ آئندہ اشعار میں جھوٹے مدعیان نبوت کے واقعات اور انکے متعلق علماء امت کے فیصلے جو نظم کئے گئے ہیں وہ مرزا کے کفر کے نظائر ہیں جن سے مرزا کے لئے بھی فتویٰ لیا جائے۔

فَمَا قَوْلُكُمْ فِي مَنْ حَبَا مِثْلَ ذٰلِكُمْ   مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابَ اَهْلَ هَوَانِ

تمہارا اُس شخص کے حق میں کیا عقیدہ ہے جس نے مسیلمۂ کذاب (مدعی نبوت) کے حق میں ایسی مہربانی کی جو مسیلمہ ذلیل اور رسوا ہے

فَقَالَ لَهُ التَّاوِيْلُ اَوْ قَالَ لَمْ يَكُنْ   نَبِيًّا هُوَ الْمَهْدِيْ لَيْسَ بِجَانِ

پس وہ کہنے لگا کہ مسیلمہ کے لئے بھی تاویل ہے یا کہا کہ مسیلمہ نبی نہ تو اور وہ مہدی تھا مجرم نہیں ہے۔

وَهَلْ ثَمَّ فَرْقٌ يَسْتَطِيْعُ مُكَابِرٌ   وَحَيْثُ ادَّعٰى فَلْيَاتِنَا بِبَيَانِ

اور کیا کوئی منہ زور مسیلمہ اور اس جھوٹے نبی میں فرق کر سکتا ہے اور اگر کوئی مدعی فرق ہے تو بیان کرے

وَكَانَ عَلَى اَحْدَاثِهِ وَجْهُ كُفْرِهِ   تَنَبُّؤُهُ مَشْهُوْدَ كُلِّ اَوَانِ

مسیلمہ کے کفر کی وجہ باوجود اور بہت سے مخترعات کے دعوائے نبوت ہی مشہور وجہ ہر وقت ہوئی ہے۔

كَذَا فِيْ اَحَادِيْثِ النَّبِيِّ وَبَعْدَهُ   تَوَاتَرَ فِيْمَا دَانَهُ الثَّقَلَانِ

احادیث نبی میں اور اس کے بعد تمام جن و انس میں دعوائے نبوت ہی اس کے کفر کی وجہ متواتر رہی۔

فَاِنْ لَمْ تَكُنْ اَوْ قَدْ وُجُوْهٌ لِكُفْرِهِ   فَاَشْهَرُهَا دَعْوَاهُ تِلْكَ كَمَانِيْ[۱۰]

مسیلمہ کے کفر کی وجوہ اور رہوں یا نہ ہوں مگر بڑی چلتی ہوئی مشہور وجہ دعوائے نبوت ہے

جیسے مانی (کذاب) کے کفر کی وجہ دعوائے نبوت تھی۔

وَاَوَّلُ اِجْمَاعٍ تَحَقَّقَ عِنْدَنَا   لَفِيْهِ بِاِكْفَارٍ وَسَبْيِ عَوَانِ[۱۱]

اور سب سے پہلا اجماع جو ہمارے علم میں ثابت ہوا ہے وہ مسیلمہ کی تکفیر اور اس کی عورتوں کو اسیر کرانے میں ہوا ہے

---

۱۰ مانی کذاب مدعی نبوت کی طرح مسیلمۂ کذاب کی تکفیر کا سبب بھی ادعائے نبوت ہوا ہے اور دونوں باتفاق اُمت دعوائے نبوت کی بنا پر کافر قرار دئے گئے اور قتل کئے گئے۔

۱۱ مسیلمہ نبی کریمؐ کے آخری زمانہ میں مدعی نبوت ہوا اور آنجنابؐ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ خلیفۂ وقت نے مسیلمہ پر چڑھائی کی اور نصرت و کامیابی کے ساتھ قتال کیا اور اس کی عورتوں کو اسیر کر کے لائے ٭

وَكَانَ مُقِرًّا بِالنُّبُوَّةِ مُعْلِنًا ۔ لِخَيْرِ الْوَرٰى فِي قَوْلِهٖ وَاَذَانٖ [۱۲]

باوجودیکہ مسیلمہ نبی خیر البشر کی نبوت کا اپنے قول اور اذان میں اعلان اور اقرار کرتا تھا۔

وَمَا فَتْوٰكُمْ فِي الْعِيْسَوِيَّةِ اَرْسِلُوْا ۔ رَسُوْلًا لِاُمِّيِّيْنَ خَيْرُ كِيَانٖ [۱۳]

تمہارا کیا فتویٰ ہے فرقہ عیسویہ میں جو یہ کہتا ہے کہ نبی خیر الکائنات کی رسالت صرف امیوں ہی کے لئے ہے

وَهَلْ ثَمَّ مَا لَا يَنْبَغِيْ تَاوِيْلُ مُلْحِدٍ ۔ وَمَنْ يَحْجُرِ التَّاوِيْلَ رَامِيْ لِسَانٖ

اور کون سی جگہ ہے جہاں ملحد تاویل نہ کر سکے۔ اور کون ہے جو تاویل کرنیوالے کی زبان ہانکی بند کرے

وَهَلْ فِيْ ضَرُوْرِيَّاتٍ بِيْنَ تَاَوُّلٌ ۔ بِتَحْرِيْفِهَا اِلَّا كَكُفْرٍ عِلَانٖ [۱۴]

اور کیا ضروریاتِ دین میں تحریف کر کے تاویل کرنا صریح کفر نہیں ہے؟

وَمَنْ لَمْ يُكَفِّرْ مُنْكِرِيْهَا فَاِنَّهٗ ۔ يَجُرُّ لَهُ الْاِنْكَارَ يَسْتَوِيَانٖ

اور جو ضروریاتِ دین کے منکر کی تکفیر نہیں کرتا ۔ وہ انکار ضروریات کو اپنے سر لیتا ہے۔

وَمَا الدِّيْنُ اِلَّا بَيْعَةٌ مَعْنَوِيَّةٌ ۔ وَمَا هُوَ كَالْاَنْسَابِ فِي السَّرَيَانٖ [۱۵]

دین تو صرف ایک بیعتِ معنویہ ہے۔ وہ نسبوں کی طرح چلنے والا نہیں۔

---

[۱۲] مسیلمہ بھی نبی کریم ﷺ کی نبوت کو مانتا تھا۔ مگر یہ کہتا تھا کہ مجھے بھی نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے جو خط نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا اس میں لکھا تھا (رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی خدمت میں) یہ ہے کہ میں امر میں شریک کیا گیا ہوں یعنی مجھ کو نبوت میں خدا کی طرف سے شریک کیا گیا ہے۔

[۱۳] عیسیٰ اصبہانی ایک شخص کا نام ہے جس کی طرف نسبت کر کے یہودیوں کی ایک جماعت کو عیسویہ کہا جاتا ہے اس شخص کا خیال تھا کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ رسول برحق ہیں مگر آپ کی بعثت اور رسالت صرف امیوں ہی کی طرف ہوئی ہے۔ ہمارے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ [۱۴] ان دو شعروں میں مرزا اور اس کے ماننے والی جماعت کے کفر کی تیسری وجہ بیان کی گئی ہے۔ ختم نبوت، ختم رسالت اور ختم شریعت کا مسئلہ ایک اجماعی اور قطعی اور ضروریات و متواترات فی الدین سے مانا گیا ہے جس کا منکر ماوّل قطعاً کافر ہے۔

فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ فَاتْلُهَا　　وَلٰكِنْ بِآيَاتٍ مَآلَ مَعَانِي [1]

مشرکین بھی نبی کریمؐ کی تکذیب نہیں کرتے تھے۔ پڑھو ولکن الظّالمین مگر خدا نے مآل اور انجام کے اعتبار سے اُن کو منکر قرار دیا۔

تَنَبَّأَ أَنْ لَا يُمْتَرَى بِبَطَالَةٍ　　كَحَجَّامِ سَابَاطٍ صَرِيعِ عَوَانِ [2]

ساباط کے رہنے والے حجام کی طرح ایک نازنین کے پچھاڑے ہوئے نے بیکاری سے بچنے کی وجہ سے دعوائے نبوت کیا۔

وَمُعْجِزَةٌ مَنْكُوحَةٌ فَلَكِيَّةٌ　　يُصَادِفُهَا فِي رُقْيَةِ الْكَرَوَانِ [3]

اور اس کا معجزہ ایک منکوحہ آسمانی ہے جس کو منتر اطرق کروی ان النعامة فی القری کہہ کر پانے کی اُمید کرتا ہے۔

وَمَنَّى لَهُ الشَّيْطَانُ فِيهَا بِوَحْيِهِ　　رِغَاءً وَوَصْلًا خِطْبَةً وَتَهَانِي

اور اس منکوحہ کے قصہ میں شیطان نے مرزا کو اپنی وحی سے آسائش اور منگنی اور وصل کی آرزو دلائی۔

فَفَضَّحَهُ رَبُّ السَّمَاءِ بِحَوْلِهِ　　وَقُوَّتِهِ وَاللّٰهُ فِيهِ كَفَانِي

ربّ السمٰوات نے اپنی طاقت و قوت سے اس کو خوب ہی رسوا کیا اور اس میں ہم کو اللہ کافی ہوا۔

---

[1] اس شعر میں اس آیت کا اقتباس ہے:۔ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ۔ یعنی اے محمدؐ! کفار تیری تکذیب نہیں کرتے لیکن وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ گو کفارِ مکہ نے نبی کریمؐ کو جھوٹا نہ کہا یا آپ کے مقولوں کو نہ جھٹلایا کیونکہ آپ کی راست بازی اور سچائی کو ہر ایک جانتا تھا لیکن انہوں نے خدا کی آیتوں سے جحود کیا اور خدائی احکام کو بالآخر نہ مانا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن پر کفر کا الزام ہوا اور انجام کار ان کو آیتوں کا منکر قرار دیا۔ مؤلف کی غرض اس میں مرزا کے کفر کی چوتھی وجہ بیان کرنی ہے کیونکہ اس کی نبوت سے خدا کی آیتوں کا انکار لازم آتا ہے۔

[2] ساباط ایک جگہ کا نام ہے، یہاں ایک حجام رہتا تھا جس کی عادت تھی کہ اپنی ماں کو چوراہے پر

(باقی صفحہ آئندہ پر)

وَكَانَ ادَّعىٰ وَحْيًا سِنِيْنَ عَدِيْدَةً   فَجَاءَ يُحَاكِيْ فَعْلَةَ الظَّرِبَانِ

مرزا اس معاملہ میں مدتوں وحی کا دعویٰ کرتا رہا۔ اور بالآخر وہ مثل حرکتِ ظربان کے نکلی۔

وَدَلَّاهُ شَيْطَانَاهُ فِيْ ذَاكَ بُرْهَةً   وَلَمْ يَدْرِ شَيْطَانَانِ لَا يَفِيَانِ [۱۰]

مرزا کو دو شیطانوں نے ایک مدت تک پھسلایا اور اُس نے یہ نہ جانا کہ اس میں دو شیطان وفا نہیں کرینگے۔

وَمَاذَا اَبَ فِي الْعُمْرِ الطَّوِيْلِ لَهٗ فَذَا   هِجَاءَ خِيَارِ الْخَلْقِ غِبَّ لِعَانِ

اور اس کو تو اپنی طویل زندگی میں سوائے برگزیدہ لوگوں کی ہجو اور لعنت کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

تَفَكَّهَ فِيْ عِرْضِ النَّبِيِّيْنَ كَافِرٌ   عُتُلٌّ زَنِيْمٌ كَانَ حَقَّ مُهَانٍ [۱۱]

کافر فحش گو اصیل بنے ہوئے نے انبیاء کی آبروریزی میں خوب مزہ درست کیا جو خود ہی حقیقی معنی سے

نفس الامر میں ذلیل تھا۔

يَلَذُّ لَهٗ بَسْطُ الْمَطَاعِنِ فِيْهِمِ   وَيَجْعَلُ نَقْلًا عَنْ لِسَانِ فُلَانِ

اس کو انبیاء علیہم السلام پر طعن کرنے میں لذت آتی ہے اور طریقہ طعن دوسروں کی زبانی بنایا ہوا ہے۔

بٹھا کر اس کی جماعت بنایا کرتا تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ہو کہ یہ بیکار ہے اور اس کے پاس کوئی جماعت نہیں ہے کیا اسی طرح مرزا کو بھی سوجھی کہ تم نبی مبعوث ہی بن جاؤ۔ اس دام میں آکر مخلوقِ خدا پھنس جائے گی۔

[۹] منکوحۂ آسمانی سے محمدی بیگم کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس پر مرزا صاحب کی رال ٹپک گئی تھی اور بہت سی تدبیریں کیں کہ کسی طرح یہ شکار ہاتھ آئے۔ کبھی اس کے والد کو خطوط لکھے اور کبھی معجزہ کی دھمکی دی۔ مدتوں الہامات میں نکاح کے مدعی رہے۔ اس کے بعد وعید کا بھی خوف دلایا۔ نکاح ہونے کو قضاء مبرم بھی ٹھہرایا۔ بہرحال آخر کار مرزا اس حسرت و آرزو کو اپنے ساتھ ہی لے گئے۔

[۱۰] دو شیطانوں سے مراد اس کے دو مرید ہیں جن کو دو فرشتے کہتا تھا۔

[۱۱] مرزا کی ساری زندگی برگزیدہ لوگوں کی ہجو میں گذری اور ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے رہے اعاذنا اللہ۔

يَصُوغُ اُصْطِلَاحًا اَنَّ هٰذَا مَسِيحُكُمْ كَمَا سَبَّ اُمًّا هٰكَذَا اَخَوَانِ

مرزا مسیح ابن مریم پر اصطلاحیں گھڑ گھڑ کر لعن کرتا ہے کہ اے نصاریٰ! یہ جو تمہارا مسیح ہے جیسے دو حقیقی بھائی ایک دوسرے کو گالی دیں دوسرے کی ماں کہہ کر۔

وَهٰذَا كَمَنْ وَافٰى عَدُوًّا يَسُبُّهُ بِجَمْعٍ اَشَدَّ السَّبِّ مِنْ شَنَانِ

اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے دشمن کے سامنے آیا ایسے حال میں کہ وہ ایک جماعت کے رو برو اُس کو سخت گالیاں عداوت سے دے رہا تھا۔

فَصَيَّرَهُ رُؤْيَا وَقَالَ بِآخِرٍ اِذِ انْفَتَحَتْ عَيْنِي مِنَ الْخَفَقَانِ

پس اُس دشمن گالیاں دینے والے نے اس کو خواب کی صورت میں ڈھال دیا اور کہا پھر آخیر میں میری نیند سے آنکھ کھل گئی۔

وَقَدْ يَجْعَلُ التَّحْقِيقَ ذٰلِكَ عِنْدَهُ اِذَا مَا خَلَا جَوٌّ كَمِثْلِ جَبَانِ

اور کبھی نامرد کی طرح میدان خالی دیکھ کر ان ہی امور کو (جو دوسروں کے حوالے سے نقل کرتا تھا) واقعی اور تحقیق بنالیتا ہے۔

وَيَنْفِثُ فِي اِثْنَاءِ ذٰلِكَ كُفْرَهُ وَيُعْرِبُ فِي عِيسٰى بِمَا هُوَ شَانِي

اور اس اثنا میں مرزا کفر اُگلتا ہے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شان میں بغض دلی کو ظاہر کرتا ہے۔

وَكَانَ هُنَا شَيْءٌ لِتَحْرِيفِ عَهْدِهِمْ فَصَيَّرَهُ حَقًّا لِخُبْثِ جَنَانِ

حال یہ ہے کہ نصاریٰ کے عہد قدیم وجدید کے مُحرّف ہونے کی وجہ سے ایک شے تھی جس کو مرزا نے اپنے خبثِ باطنی سے حق بنایا۔

وَقَدْ اَخَذُوْا فِي مَالِكِ بْنِ نُوَيْرَةَ بِصَاحِبِكُمْ لِلْمُصْطَفٰى كَادَانِي[۲۰]

صحابۂ کرامؓ نے مالک بن نُویرہ کو نبی کریمؐ کی شان میں لفظ صاحبکم ادنیٰ درجہ کا لفظ کہنے پر گرفت کرکے قتل کیا۔

نہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

وقصة دُبّاءٍ رأى القتلَ عندها ۔۔۔ أبو يوسفَ القاضي ولاتَ أوانِ [21]

امام ابو یوسفؒ نے ایک شخص کو یہ کہنے پر قتل کر دیئے جانے کا حکم دیا کہ مجھے کدو پسند نہیں اور وہ وقت معافی کا نہ تھا۔

وقد أعملت حكمَ الشريعةِ فيهمِ ۔۔۔ حكومةُ عدلٍ للأميرِ أمانِ [22]

امیر امان اللہ خان جلالت مآب کی عادل حکومت نے اس مسئلہ میں حکم شریعت پر عمل کر کے فیصلہ کیا۔

تحطّمَ في جمعِ الحطامِ ونيلِها ۔۔۔ وبسطِ المنىٰ في حاصلاتِ مجانيْ

مرزا بوڑھا ہو گیا دُنیا کے خس و خاشاک جمع کرنے میں اور تمنائیں پوری کرنے میں چندہ کی رقمیں جمع کر کر کے۔

وكلُّ صنيعٍ أو دهاءٍ فعندهٗ ۔۔۔ لنيلِ المنىٰ بالطردِ والدورانِ

اور جو تدبیر یا مکر ہے اُس کے یہاں اُلٹا سیدھا کر کے اپنے مطالب ہی حاصل کرنے میں ہے۔

أهذا مسيحٌ أو مثيلُ مسيحِنا ۔۔۔ تسربلَ سربالاً من القطرانِ

کیا یہی ہے مسیح یا مثیلِ مسیح ۔۔۔ جس نے کُرتہ پہن لیا گندھک کا۔

---

[20] مالک بن نویرہ ایک شخص تھا جس نے حضرت نبی کریمؐ کی شان میں لفظ صاحبکم (جو ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کے لوگوں کے حق میں استعمال کیا جاتا تھا) استعمال کیا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُس کی اس لفظ پر گرفت کی اور قتل کر دیا۔ [21] امام ابو یوسفؒ ایک مرتبہ حدیث بیان فرما رہے تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کدو کو پسند فرمایا کرتے تھے اور رغبت سے کھایا کرتے تھے اس پر ایک شخص جماعت میں سے اُٹھا اور بہت اونچی آواز اور سخت لہجہ سے کہنے لگا کہ مجھے تو پسند نہیں۔ جس پر امام موصوف نے اُس کے قتل کا حکم دیا اور بالآخر اس نے توبہ کی جس سے اُس کی معافی ہوئی۔

[22] اس شعر میں نعمت اللہ خاں مرتد کے قتل کی طرف اشارہ ہے جس کے متعلق حکومت افغانستان کی طرف سے قتل کا فیصلہ دیا گیا تھا اور قرآن و حدیث کے مطابق اس فیصلہ کا نفاذ ہوا ہے۔ مرزائی جماعت نے بہت شور و غل مچا کر اس فیصلہ کو خلاف تعلیم قرآن بنانے کی کوشش کی۔

وَعِنْدَ دُعَاءِ الرَّبِّ قُومُوا وَشَمِّرُوا — حَنَانًا عَلَيْكُمْ فِيهِ أَيُّ حَنَانِ

اور خدا کی آواز پر لبیک کہہ کر تیار ہو جاؤ — اس میں خدا کی تم پر مہربانیوں پر مہربانی ہے

وَكُنْ رَاجِيًا أَنْ يَظْهَرَ الْحَقُّ وَارْتَقِبْ — لِأَوْلَادِ بَغْيٍ فِي السُّهَيْلِ يَمَانِيْ

اور حق کے غالب ہونے کی خدا سے اُمید رکھو اور برساتی کیڑوں کے مٹ جانے کا بوقتِ طلوع (ستارۂ) سہیل اِنتظار کرو۔

وَلِلْحَقِّ صَدْعٌ كَالصَّدِيعِ وَصَوْلَةٌ — وَطَعْنٌ وَضَرْبٌ فَوْقَ كُلِّ بَنَانِ

حق صبح صادق کی طرح ظاہر ہوتا ہے اور حق کے لئے صولت، نیزہ اور مار ہے ہر سرِ انگشت پر۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّذِيْ — لِنُصْرَةِ دِيْنِ الْحَقِّ كَانَ هَدَانِيْ

اور آخری پکار ہماری یہ ہے کہ حمد کی مستحق وہی ذات ہے جس نے دینِ حق کی حمایت میں ہم کو ہدایت کی۔

وَصَلِّ عَلَىٰ خَتْمِ النَّبِيِّيْنَ دَائِمًا
وَسَلِّمْ مَا دَامَ اعْتَلَى الْقَمَرَانِ

اور خدا کی رحمتیں حضرت خاتم الانبیاءؑ پر نازل ہوتی رہیں جب تک چاند اور سورج بلند ہوتے رہیں۔

نوٹ: پوری نظم کے ۴۳ اشعار ہیں جن میں صرف ۱۱ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ پوری نظم کے لئے ملاحظہ ہو آثار الملحدین صفحہ ۔ صفحہ ۹۰۔

مرثیہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ العزیز

(از حضرت حجۃ الاسلام عارف باللہ علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز)

امماد هاك الامر تذری وتدمع　　فهل فی بكی من مفزع لك مفزع

کیا اس حادثہ جانکاہ کے پیش آجانے کی وجہ سے تیرے آنسو بہہ رہے ہیں، اور کیا ملجا و ماوی کے ہاتھ سے نکل جانے پر رونے کی وجہ سے کوئی ٹھکانا مل سکتا ہے۔

وقد عیل صبری والجزع میتًا　　اذا فاتہ ذکر یحن ویجزع

میں صبر کے اختیار سے بالکل باہر ہو گیا ہوں، اور جب کہ خشک لکڑی کا ایک تناسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اللہ کا ذکر سننے سے محروم ہو گیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا (استن حنانہ)

وشطّ مزار بعد ما کان احتظی　　فصبرًا وان الامر ادھی وافزع

حضرت شیخ کی زیارت سے اکثر شرف حاصل ہوتا رہتا تھا، لیکن اب یہ شرف کوسوں دور ہے، تو اب کسی نہ کسی طرح صبر کرنا ہی چاہیئے، لیکن حقیقت یہ ہے یہ حادثہ جانکاہ حادثہ ہے۔

تکلفنی ما لا یید ان لحمله　　ولیس مردٌّ للقضاء ومدفع

میں ناقابل برداشت بوجھ اٹھانے پر مجبور رہوں، اور خداوند تعالے کے حکم کو کوئی بھی روک نہیں سکتا۔

اتجهل خطبی لا ابالك او تری　　خلیا وخیّ البال لا یتوجع

خدا کے بندے! کیا اس مصیبت عظیمہ سے جو مجھ پر پڑی ہے تو غافل ہے، اور کیا تو نے کوئی شخص بھی دیکھا ہے جو کہ محبت سے خالی اور نرم دل ہو، مگر کبھی غمگین نہ ہوا ہو۔

ومن ثم مثل الشیخ یهدی ویهتدی　　ومولی الوری عبد الرحیم فاقنع

اب دنیا میں شیخ العالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم کا سا ہدایت کرنے والا ہدایت یافتہ کون ہے کہ میں اس پر قناعت کر سکوں۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ   هو المسك ما كررته يتضوع

نعمان یعنی حضرت شیخ کا بار بار ذکر کرو کیونکہ ان کا ذکر تو کستوری کی طرح ہے اس کو جس قدر لگاؤ گے خوشبو ہی دے گا۔

ولی رضی سیرۃ و سریرۃ   صفی وفی ثم ارضی و اطوع

آپ خدا کے دوست تھے، پسندیدہ اخلاق والے تھے، آپ کے اخلاق و عادات سبھی اچھے تھے۔

منار الهدیٰ معروفہ وجنیدہ   مقاماً وحالاً صادق الوعد انصح

آپ نشان ہدایت تھے مقام اور حال کے اعتبار سے ہدایت میں آپ حضرت معروف کرخیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ہم پلہ تھے، صادق الوعد با اخلاص تھے۔

له خطوة افضت الى غاية العلی   واخری علی الارشاد امضی واسرعُ

آپ کا ایک قدم تو مدارج علیا کے منتہیٰ پر پہنچ چکا تھا، دوسرا قدم مخلوق کی ہدایت کے لئے نہایت تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔

جناحٌ له بسطٌ الی طیِ منزل   واخر مخفوضٌ لدی الناس یخشع

آپ کا ایک بازو مقامات عالیہ کو طے کرنے میں مصروف تھا اور دوسرا بازو مخلوق کے سامنے انکسار اور تواضع کے طور پر جھکا ہوا تھا۔

ومن کوثر یرویك ذوقا ومشربا   ومن سنة یهدیك والصبح یسطع

آپ کے کلمات مبارکہ نہر کوثر کے پانی کی طرح مزیدار تھے اور تشنگان ہدایت کو سیراب کرتے تھے، اور سنت نبویہ کے طریقوں کی تعلیم کر کے ہدایت کرتے تھے اور صبح صادق کی طرح جہل کی ظلمت کو دور کرتے تھے۔

وانفاسہ کالنشر تشفی وتشتفی　　　　واخلاقہ کالصبح اوتلک اوسع

آپ کے انفاس مبارکہ خوشبو کی طرح مہکتے تھے اور مریضان ضلالت کو کامل شفا بخشتے تھے، اور اخلاق آپ کے صبح کی طرح منور تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ،

یواسی کسیر البال لیشفی کلیمہ　　　　وبائس قلب ما دری کیف یصنع

آپ شکستہ دلوں کی غمخواری اور زخمی دلوں کا علاج کرتے تھے، اور اس مصیبت زدہ کی امداد کرتے تھے جس کو شدت غم کے باعث یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس مصیبت سے رہائی کا کیا طریقہ ہے۔

ودعوتہ فی ازمنۃ المحل والردی　　　　وقلب رداء ان حالا سیرجع

سخت قحط اور　　　　کے زمانے میں آپ کی دعا یا قلب رداء کا مسنون طریقہ حالات کے جانے کا ایک یقینی نشان تھے۔

فسبحان من اعلیٰ مقاما عبادہ　　　　فوادمھم فی النور اوتلک ارفع

وہ خدا بزرگ و برتر ہے جس نے اپنے بندوں کو اعلیٰ مقام عطا کئے، ان پر نور خداوندی محیط ہے، بلکہ وہ اس سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں۔

اقامھم فی مقعد الصدق مرۃ　　　　واخری بجوف اللیل واللیل اسمع

خداوند نے توفیق بخشی کہ وہ دن کو مجالس خیر میں تشریف فرما ہوں، کبھی اس امر کی توفیق دی کہ راتوں کو اٹھ کر دعاؤں میں مشغول ہوں، اور رات کی دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔

تری ھدیھم فی الحب والانس ثابتا　　　　ووقتھم للفرق والجمع اجمع

تم دیکھو گے کہ ان کو محبت خداوندی میں ملکہ راسخ حاصل ہو گیا ہے اور ان کا وقت فرق اور جمع کا جامع ہے۔

ف: یہ اصطلاحات صوفیہ ہیں، فرق، جمع، اور جمع الجمع۔ دیکھو ملفوظات حضرت رائے پوری قدس اللہ اسرارہم۔

وثم عباد فی الفناء بقاءهم   حیاتهم فی الموت والشیخ اجمع

خدائے قدوس کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کی بقا۔ فنا میں ہے۔ اور ان کی حیات موت میں ہے، مگر حضرت رائے پوری ان تمام اوصاف کے جامع تھے۔

اقام علی مرمی ابی ذر دهره   کان ابا وقت مطاع ومطوع

مولانا رائے پوری نے تمام عمر ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق گزار دی ان کے اوقات بیکار نہ تھے، تمام مخلوق ان کی مطیع تھی اور وہ خداوند تعالیٰ کے مطیع تھے۔

معارف معروف وآداب حاتم   سلامة سلمان فهل تلك ترجع

مولانا رائے پوری میں حضرت معروف کرخی کے سے اوصاف تھے اور حضرت حاتم اصم کے سے آداب تھے، اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی سی سلامت روی تھی، تو کیا اس قسم کے جامع صفات حمیدہ انسان ہم کو ان کے بعد بھی دیکھنے نصیب ہوں گے۔

وهل تسمح الدنیا بهدی کهدیه   وما ان اری دهرا یواتی ویصنع

اور کیا زمانہ کسی ایسے شخص کو ہمارے سامنے لا سکے گا جس کی صفات مولانا رائے پوری جیسی ہوں، میرے خیال میں زمانے سے ایسا ہرگز نہیں ہو سکے گا۔

خلیفة حق لو ل صدق لشیخنا   رشید البرایا فائت شاو ترفع

حضرت قطب العالم مولانا وشیخنا رشید احمد قدس سرہٗ کے خلیفہ برحق تھے اور بیش بہا عطا تھے۔

مقیم علی ذکر وفکر زمانه   قرین لقرآن یناجی ویسمع

مولانا رائے پوری ہر وقت ذکر خداوندی اور فکر میں مشغول رہا کرتے تھے، قرآن پاک کی تلاوت کے ذریعے سے خداوند تعالیٰ سے باتیں کرتے اور سنتے خوش دل رہا کرتے تھے،

فیا عجبا کیف استطاع علومه   وان جبالا لا تزال تصدع

بہت قابل تعجب یہ امر ہے کہ انھوں نے قرآنی معارف کو باوجودیکہ ان سے پہاڑوں

کے جگر بھی شق ہوتے ہیں ا کیسے تھام لیا۔

ویا عجبا من راسخ الحال ثبتہ　　　علی قدم کالطور راسی واقع

آپ کے حالات راسخ تھے، آپ کو درجہ ثبات حاصل تھا، شریعت کے بارے میں آپ کے قدم بڑے پہاڑوں کی طرح بلکہ ان سے زیادہ مضبوط تھے۔

خطیرۃ قدس ھمّہ واھمّہ　　　وما للتوانی ان تری الرب یرفع

خداوند تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنا ہی آپ کا اصلی مقصود تھا یا یوں کہو کہ ان تمام مقاصد میں سب سے زیادہ ان کے نزدیک ضروری تھا، اور اگر دیکھو کہ خداوند تعالیٰ خود ہی کسی کو مراتب رفیعہ عطا فرماتا ہے تو پھر مراتب کے حاصل کرنے میں کاہلی کرنا مناسب نہیں۔

انیس بذکر اللہ فی طول عمرہ　　　سمیر یخطب القوم کیف یرقع

مولانا کو تمام عمر ذکر الٰہی سے ہی دلچسپی رہی، اور شب و روز مسلمانوں کے تذکرے آپ کی خدمت میں کئے جاتے تھے کہ مسلمانوں کی اصلاح کی سبیل نکل آئے۔

متی تأتہ تعشوا الی نور صدرہ　　　تجد نورہ کالصبح او ذاک اصلع

جب تو ان کے پاس ان کے سینے کے نور سے مستفیض ہونے کی غرض سے جاتے، تو تم کو معلوم ہوگا کہ ان کا نور صبح صادق کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے۔

تحل صعاب الامر انفاس روعہ　　　وخفض جناح کیف ماجئت یخضع

ان کے انوار بڑے بڑے مشکل امور کی گرہ کھول دیتے تھے اور اس قدر منکسر المزاج تھے کہ تم کسی شان سے ان کے پاس جاؤ ان کے انکسار میں فرق نہ آتا تھا۔

یقوم بامر اللہ فی کل حالۃ　　　وفی روضۃ الجنات یرعی یرتع

اللہ تعالیٰ کے احکام کی مراعات وہ ہر حال کرتے تھے، اور اب وہ باغ جناں میں خدا کی نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔

امیرھم فی ماانی وسمیرھم　　　وغرتہ تجلوا الظلام وتدفع

مسلمانوں کے تمام حوائج میں وہ ان کے سالار قافلہ ہوتے تھے اور ان کی روشن پیشانی کا نور اندھیرے کو دور کر دیتا تھا۔

فللہ در الحب حتی اقامنی علی غصص الایام ارثی و ادمع

اللہ تعالیٰ اس محبت کا بھلا کرے جو مجھے مولانا سے ہے، ان کی موت کے مصائب کے باوجود میں اس وقت کھڑے ہو کر ان پر آنسو بہانے اور ان کا مرثیہ پڑھنے کے قابل ہوں،

وارثی جمالاً او کمالاً و سیرۃ وزھدا وحلماً ثم علما فشیعوا

میں مولانا کا مرثیہ تو کیا پڑھ رہا ہوں بلکہ دراصل جمال اور کمال، زہد، حلم اور علم پر رو رہا ہوں۔ اب ان کو اپنے سے جدا ہونے والا ہی سمجھو۔

وما ثم الا عبرۃ بعد عبرۃ کذالک اللیالی لاتوانی وتصنع

اور اب دنیا میں تو عبرت پر عبرت کے سوا رکھا ہی کیا ہے اور زمانہ تو کسی وقت غافل رہتا ہی نہیں۔

ولما حسبت العام عند رحیلہ فجاء دعاء یستجاب و یسمع

مولانا کے وصال کے وقت جب میں نے سن تاریخ کا خیال کیا تو اسی وقت قلب میں یہ دعائیہ کلام پڑا جو یقیناً قبول ہو گیا ہے۔

سقی اللہ مثواہ بادعلی کرامتہ وسقی ورعی منہ اولی و انفع

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی جائے اقامت پر اپنی رحمت کی بارشیں فرماتا رہے۔ کیونکہ مخلوق خداوندی نے مولانا کی ذات سے بہت زیادہ منافع حاصل کئے ہیں۔

اپنے شیخ مولانا رشید احمد گنگوہی کی مدح میں لکھتے ہیں:۔

قفا یا صاحبی عن السفار بمرأی من عرار أو بھار

لیسیر بنشرھا نفحات أنس وریّا عند محیّ[1] من قطار

---

[1] کذا فی الاصل۔

يفيض لروحها رشحات قدس | حياة للبرارى و القفار
وقد عادت صباها من رُباها | بأنفاس يطيب بها الصحارى
فيسرى فى قلوب الصحب وجد | بأطراف الحديث لدى اعتبار
الطيب لنشره نفسًا و نفسًا | فاروى من روايات الكبار
اتابعهم و يمليني دموعى | حديثى من شيوخى لادكار
أجلهم و ابجلهم مقاما | ابومسعودهم جبل الوقار
لقد فرع الورى عملاً وعلمًا | مكارم ساعدت كرم النجار
إمام قدوة عدل أمين | ونور مُستبين كالنهار
فقيه حافظ علم شهير | كصبح مستنير هدى سار
اليه المنتهى حفظا وفقهًا | وأضحى فى الرواية كالمدار
ففى التحديث رحلة كل راو | وفى الأخبار عمدة كل قارى
فقيه النفس مجتهد مطاع | وكوثر علمه بالخير جارى
وأحيى سنة كانت أميتت | واذوضح النهار فلا تُمارى
واُصبح فى الورى صدرًا و بدرًا | منيرًا وار"يا حلك التوارى
وأصبح مفردًا علمًا رفيعًا | كرفع المفرد العلم المنار
واية رحمة فضلاً و فيضًا | عبابا مستطابا للقوارى
وغرة دهره علمًا و دينًا | طرازز مانه مثل النضار
يقوم بشكره آثاره فى | مدارس اومسجد كالدرارى
متى ما جاد جود قام شكرا | له العزمات من باد و قار
و اما فضله ذوقًا وحالاً | ففرد فيه لا احد يجارى
علو مقامه قدمًا و سبقًا | فلا من طائر فيه مطار

فضيل زمانه ورعًا وزهدًا ۔ وحاتم عصره عند امتيار
كأن جبينه بدرٌ مبين ۔ تهلل نوره عند الزوار
وهمته كصبح مستطير ۔ او الغيث المغيث لدى انتظار
لقد نفع الورى شرقًا وغربًا ۔ وأشرق نوره عند اعتكار
وزحزح عن حريم الحق نكرا ۔ فحصحص فى البسيط على الجهار
ودارمع استقامته مدارا ۔ أصيل الاصل محمى الزمار
فرحمة ربه ابدًا عليه ۔ وطاب ثراه من رضوان بارى

❊

مولانا محمد حسن مرادآبادی

حال مہتم مدرسہ وفقیہہ ریاست بھوپال۔ حضرت کے شاگرد رشید اور مخلص خادم ہیں، بیعت توبہ کے مجاز ہیں، حضرت کے ساتھ جس درجہ بے تکلف باتیں مولانا کرتے تھے شاید متوسلین میں کوئی بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اور اس کا سبب حضرت کی وہ مربیانہ شفقت تھی جو طالب علمی کے زمانہ سے وقت وصال تک مولانا پر خصوصیت کے ساتھ مبذول رہی، ایک بار حضرت نے ارشاد فرمایا "مولوی محمد حسن نرا مولوی ہی نہیں ہے سپاہی ہے، منشی ہے، محاسب ہے، وکیل ہے، زمیندار ہے، درزی ہے، باورچی ہے، پہلوان ہے، اس کو تمام کام آتے ہیں"۔ ایک مرتبہ مولانا نے ایک غبی طالب علم کو پیش کیا اور کہا کہ حضرت اس کو ترمذی شریف شروع کرا دیجئے" اس کا ذہن کند اور فہم ناقص ہے۔ اور میرے مدرسہ میں داخل ہے اس واسطے لایا ہوں کہ آپ شروع کرادیں تو برکت ہو جاوے اور ذہن کھل جاتے۔ حضرت نے فرمایا کہ جب یہ بات ہے تو اس کو فقہ کے اردو فارسی کے رسالے پڑھا دو، مولانا نے جواب دیا، نہیں حضرت اب تو اس کو ترمذی شروع کرادیجئے۔ چنانچہ حضرت مسکراتے اور طالب علم کو ترمذی شریف کا ایک ایک سبق پڑھایا، حضرت ہی کی اجازت سے بھوپال گئے اور امسال سفر حج کو عرب تشریف لے گئے ہیں[۱]۔

---

[۱] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۵۲۔

مولانا قاضی محمد حسینؒ

۱۹۶۶ء

مولانا سید محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں:۔

مشرقی پاکستان کے دو مشہور عالم، دونوں چاٹگام کے، ایک ماہ رجب ۱۳۸۶ھ اور ایک ماہ رمضان ۱۳۸۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

۱۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب جیری ضلع چاٹگام کے نہایت مخلص، جفاکش اور باخدا عالم تھے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جیری کے بانی تھے، اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں گزاری۔ ۵۶ سال تک فرائض اہتمام کی انجام دہی کی توفیق نصیب ہوئی۔ غالباً مدرسہ معین الاسلام ہاٹہزاری کی قدیم ترین درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے

مولانا قاضی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے مجاز تھے، بنگلہ زبان میں نہایت خوش بیان واعظ تھے، وعظ میں بہت اثر تھا۔ ان کے مدرسہ میں عارف باللہ شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی اور ان کے صحیح جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب (رحمہم اللہ) سب ہی حضرات کے قدم پہنچے ہیں، راقم الحروف بھی مرحوم کے اصرار پر وہاں گیا تھا اور صحیح بخاری شریف کا ایک درس بھی دیا تھا۔ طویل علالت کے بعد ۲۳ رمضان ۱۳۸۶ھ کو ۸۷ سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔[1]

---

[1] مولانا محمد یوسف بنوری: وفیات، ماہنامہ بینات کراچی، ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ ص ۸۔

مولانا حافظ محمد صالح جالندھریؒ

۱۲۷۹ - ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء

ولادت آپ عظمت بن روشن دین کے فرزند ہیں، رائے پور تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ۱۲۷۹ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ گجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

تعلیم مولانا محمد ساکن کوٹ بادل خان سے تعلیم پائی، اور پھر تدریس کرتے رہے۔ مولانا محمد انوری لکھتے ہیں:-

میرے والد مجھے حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں چھوڑ آتے تھے، میں حضرت کے گھر میں رہتا تھا، حضرت مجسم شفقت تھے، بہت کم گو، ہر وقت چپ رہتے تھے۔ تھوڑی سی بات کرکے خاموش ہو جاتے تھے، حضرت کی عبادت کا ایک چھوٹا حجرہ گھر میں بنا ہوا تھا، جس میں ان کی چارپائی اور ایک طرف چوکی پر جائے نماز بچھی رہتی تھی، اکثر دروازہ بند رہتا تھا، فجر کی نماز باجماعت پڑھ کر دروازہ بند کر لیتے اور اشراق کے بعد کھولتے اور خدام کو تلقین فرماتے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا تھا کہ "پنجاب کے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں جب ان کے پاس حافظ محمد صالح صاحب موجود ہیں، محمد صالح بھی رشید احمد ہی ہے" اللہ اکبر! بڑا ہی اعتماد تھا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے دوسرے حج میں ان کے ہمراہ تھے، حافظ صاحب جہاز میں ہر وقت الگ بیٹھے ہوتے پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔

مولانا عبداللہ فاروقی نے مجھے بتایا کہ میں ایک بار گنگوہ حاضر ہوا، حضرت حافظ صاحب کا پتہ کیا، معلوم ہوا کہ فلاں مسجد میں رہتے ہیں، وہاں پہنچا تو حافظ صاحب ذکر کر رہے تھے، اِلَّا اللّٰہُ کی ضرب اتنی زور سے لگاتے تھے، لگتا تھا کہ تمام مسجد کانپ رہی ہے، جب فارغ

ہوئے تو حاضری دی، فوراً اٹھے اور سینے سے لگا لیا۔[1]

جامعہ رشیدیہ کی تاسیس جامعہ رشیدیہ جالندھر کے موسس آپ ہی ہیں، مولانا کی زندگی عبادت و ریاضت، درس و تدریس اور تعلیم و تربیت میں گزری، ان سے بہت سوں نے استفادہ کیا۔

وصال چھ شوال ۱۳۳۹ھ کو آپ کا وصال ہوا، اور اپنے گاؤں سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر دوسرے گاؤں دوسنگھ تحصیل پھلور ضلع جالندھر میں دفن کیے گئے اور وہ اس وجہ سے کہ اپنے گاؤں میں دریا کی وجہ سے سطح زمین مرتفع نہ تھی، وصال کے وقت عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔

اولاد اولادِ نرینہ میں دو عالم و فاضل فرزند۔ مولانا عبدالعزیز اور پیر جی عبداللطیف ہیں۔

مولانا عبدالعزیز صاحب ۱۳۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد صاحب، مولانا افضل احمد صاحب اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند میں امام العصر مولانا محمد انور کشمیری اور دیگر اساتذہ سے پڑھا اور سند الفراغ حاصل کی۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مجاز ہوئے۔ حضرت رائے پوری نے ان کی بابت فرمایا "ہم تو مولوی عبدالعزیز کے اس دن سے قائل ہیں جب انھوں نے اپنے گرامی قدر صاحب جائیداد والد صاحب کی وفات کے موقع پر کہا تھا کہ والد صاحب کی ساری جائیداد اور ترکہ بہن اور بھائی کے لئے چھوڑتا ہوں، میں کچھ نہ لوں گا۔"

---

[1] مولانا محمد انوری: مولانا عبدالقادر کے خلفاء: ص ۱۔ در ذکر مولانا عبدالعزیز۔

[2] یہ حالات راقم الحروف کو حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سے بار بار لکھ کر حاصل ہوتے اور تاریخ وفات بھی ارسال فرمائی۔ فجزاہ اللہ خیراً، حافظ غلام فرید صاحب نے احوال العارفین ص ۲۳۹ پر ان کی تاریخ وفات غالباً ۱۳۵۶ھ، ۱۹۳۸ء لکھی ہے جو درست نہیں ہے۔

قیام پاکستان پر چک ۱۱/۱۱ ایل چیچہ وطنی ساہیوال میں قیام کیا اور وہاں مدرسہ صابریہ کی بنیاد رکھی جو بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔

مولانا پیر جی عبداللطیف صاحب

حافظ صاحب کے دوسرے فرزند ہیں، تعلیم والد صاحب اور مدرسہ رشیدیہ جالندھر میں پائی، اساتذہ میں مولانا فقیر اللہ صاحب اور مولانا فضل احمد صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوتے اور تکمیل سلوک کر کے خلافت حاصل کی، قیام پاکستان پر چیچہ وطنی کو وطن بنایا، وہاں مدرسہ تجوید القرآن قائم کیا جس کا فیض بہت عام ہے۔ ۱۵ رجب ۱۳۹۷ھ ۶ جولائی ۱۹۷۷ء کو وصال ہوا۔



مولانا حکیم محمد صدیق مُرادآبادی

۱۲۶۳ — ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء

آپ مرادآباد کے ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام مولانا محمد امین الدین صدیقی ہے۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد اور علم طب کی تحصیل اپنے نانا حکیم محمد عطا حسین سے کی۔۔۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا سید احمد دہلوی سے پڑھتے رہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

پھر وطن میں مولانا فتح محمد تھانوی سے پڑھتے رہے۔ حدیث کی سند مولانا عالم علی مرادآبادی تلمیذ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ سے حاصل کی۔

آپ کا مطب بھی بڑا مشہور تھا۔ آپ بڑے حاذق طبیب اور بلندپایہ نبّاض تھے۔ ۱۴؍ ربیع الاوّل ۱۲۸۹ھ/۲۳؍ مئی ۱۸۷۲ء کو میرٹھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بیعت ہوئے اور پھر ان سے خلافت ملی۔

آپ کو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی طرف سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی نیز حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے بھی بیعت کی اجازت عطا فرمائی۔

آپ اردو اور فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ فارسی کا ایک مکمل دیوان (غیر مطبوعہ) ہے۔ قاسمی اور صدیق تخلص تھا۔

۳ر شوال ۱۳۴۷ھ شبِ جمعہ میں ساڑھے دس بجے ۸۴ سال کی عمر میں وصال ہوا۔

بعد از نمازِ جمعہ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت حاجی امداد اللہ کے خلیفہ نواب مولانا محی الدین فاروقی مرادآبادی (م ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ) نے پڑھائی۔

اولاد میں دو فرزند مولانا حکیم عبدالرحمٰن اور مولانا حکیم محمد فاروق تھے۔ ؎

؎ فیوض الرحمٰن : مشاہیر علماء لاہور : ج ۱ صفحہ ۵۲۶
: فیوض الرحمٰن : حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور انکے خلفاء : نشریات اسلام کراچی ص ۱۲۵-۱۲۶

حضرت مولانا الحاج المولوی محمد صدیق مہاجر مدنی

۱۲۸۸ — ۱۳۳۱ھ

آپ کا پہلا وطن موضع الہداد پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے حسینی سید ہیں، ہندوستان میں اٹھارہ یا انیس پشت گزار کر ۱۳۱۶ھ میں اپنے والد مولوی حبیب اللہ صاحب کے ہمراہ جو مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے خلیفہ راشد ہیں، مدینۃ الرسول کو ہجرت فرما گئے۔ دیوبند میں تعلیم دینیات سے فارغ ہو کر اوائل ۱۳۱۸ھ میں امام ربانی سے بیعت ہو کر کئی سال مجاہدات و ریاضات نفس میں مصروف رہے، آخر ۱۳۱۸ھ میں شوق میں مغلوب ہو کر اہل و عیال سے اطلاع کئے بغیر بغرض اکتساب و حصول فیضان گنگوہ مراجعت فرمائی اور نسبت مسلسلہ سے مالا مال ہو کر پڑھنے اور گریہ و وجد کے روزانہ مزے لیتے ہیں، صبر و استقامت کا پوچھنا ہی کیا جب کہ اہل مدینہ کی متوکلانہ گزران سے ہر مسلمان واقف ہے، امتحاناً کئی بلاؤں میں جھڑجھڑاتے گئے مگر جب پختہ اترے تو خادم نواز آستانہ علیہ محمدیہ سے اب کوئی ان کو علیحدہ کرنے والا نہیں، حرم محترم میں درس بھی دیتے ہیں اور دولت غنا سے مالا مال ہیں[1]۔

مولوی شاہ سراج الیقین لکھتے ہیں،

"آپ مدرسہ عالیہ دیوبند کے فارغین میں ہیں اور مولانا رشید احمد صاحب سے بیعت اور مستفیض ہیں، نہایت فاضل بزرگ ہیں، مکارم اخلاق کے جامع ہیں[2]"

۱۳۳۱ھ میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

---

[1] مولانا عاشق الہٰی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: میرٹھ ج ۲ ص ۱۵۸

[2] مولوی سراج الیقین، شمس العارفین: لاہور: بلا تاریخ: ص ۹۸۔

مولانا محمد عبدالمجید خاں بنگنوری ۱۹۳۷ء

آپ بنگنوری ضلع چتور علاقہ آندھرا کے رہنے والے تھے۔ موصوف اپنے گاؤں سے بے مائگی کے عالم میں تحصیل علم دین کے لئے نکل کر ویلور، بلھاری اور کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پہنچ کر فیض روحانی سے مستفید ہوئے

وانمباڑی ضلع آرکاٹ کے خطیب عبدالرحمن صاحب نے اپنی بڑی صاحبزادی کا ان سے رشتہ کر دیا اور پھر انھیں مدرسہ "مفید عام" کا صدر مدرس بنا دیا گیا۔ انجمن کی ملی خدمات میں وہ برابر سرپرستی فرماتے رہے۔ مدرسہ نسواں کے افتتاح کے چھٹے مہینہ میں وہ باقاعدہ اس کے مربی بنائے گئے۔ اس کے بعد مدرسہ مفید عام کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر مدرسہ نسواں کی کلیات کے ناظم مقرر ہو گئے اس طرح مدرسہ نسواں کی ترقی کے لئے انھوں نے خود کو وقف فرما دیا تھا۔ پورے ۱۲ سال تک مدرسہ کی خدمت کر کے اس کو بام عروج تک پہنچایا۔ مدرسہ کا نصاب خود آپ ہی کا مرتب کردہ ہوتا تھا۔[1]

۱۹۳۰ء کے بعد حضرت مولانا نے باقاعدہ طالبات کے لئے مختلف دینی علوم و فنون کے رسائل کی ترتیب شروع فرما دی۔ ترجمہ قرآن میں آیات القرآن، احادیث میں منتخب مشکوٰۃ المصابیح تفسیر المبتدی، بشیر و نذیر، فقہ میں ضروریات اسلام، سیر مختصر وغیرہ۔ ساری ترتیب و تدوین کی یہ محنت آپ نے مسلمان بچیوں کے لئے کی اور مدرسہ نسواں کے درجہ علیا کی صلاحیت کا لحاظ رکھ کر حضرت نے ان کو مرتب فرمایا تھا۔ ۲۴ فروری ۱۹۳۷ء کو آپ کی گرتی ہوئی صحت کے پیش نظر آپ کو آرام کا مشورہ دیا گیا اور اصحاب انجمن نے آپ کا بیس روپے ماہوار اکرامیہ مقرر کر دیا جسے آپ نے شکریہ کے ساتھ قبول کرنے سے معذرت کر دی، ۲۷ دسمبر ۱۹۳۷ء کو حضرت بنگنوری اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مگر آپ کا فیض ابھی تک جاری ہے۔[2]

---

[1] دامنہ حاجی محمد ابراہیم: آئینہ وانمباڑی: ۱۹۷۰ء: ص ۱۲۹ تا ۱۳۳۔

[2] دآئینہ وانمباڑی: ۱۹۷۰ء ص ۱۶۹)

حضرت مولانا محمد فاروقی جالندہری

۱۳۲۰ھ - ۱۹۰۲ء

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:-

مولانا محمد صاحبؒ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، بڑے عالم تھے، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ بانی مظاہر علوم سہارنپور سے تلمذ تھا اور مولانا عبدالحق حقانی کے ہم سبق تھے، بڑی عاشقانہ اور درد مند طبیعت پائی تھی،

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہو گئے، حضرت نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ آپ وعظ ہی کہتے پھریں یہی آپ کا وظیفہ ہے، مولانا وعظ کے لئے دیوانہ وار پھرتے تھے، آواز میں اللہ تعالےٰ نے اتنی کشش دی تھی کہ جو بھی آپ سے وعظ یا شعر سن لیتا تھا گرویدہ ہو جاتا تھا، اکثر وعظ سننے والے تہجد گزار ہو جاتے تھے، بڑے بڑے ڈاکو اور چور آپکے ہاتھ پر تائب ہوتے، ۱۳۲۰ھ میں وفات پائی۔[1]

اولاد میں ایک فرزند مولوی محمد عبداللہ فاروقی تھے، وہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے خاص شاگرد تھے اور شیخ الہندؒ ہی سے بیعت تھے، طالب علمی کے زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان کو حضرت گنگوہی کی خدمت میں پیش کیا کہ آپ کے خلیفہ کا لڑکا ہے اس کو بیعت فرمالیں، اس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ "اس کو محبت تو مولوی محمود حسن سے ہے میں بیعت کر کے کیا کروں گا" چنانچہ اصرار کر کے حضرت شیخ الہند ہی سے بیعت ہوتے ان کی وفات کے بعد مولانا عبدالقادر رائے پوری سے رجوع کیا اور ان سے مجاز ہوئے، اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور میں فارسی کے استاد تھے، ۱۹۵۶ء میں انتقال ہوا۔[2]

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: سیرت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری: لاہور: ص ۹۵، ۹۶۔

[2] قاری فیوض الرحمٰن، مشاہیر علمائے دیوبند، لاہور، ۱۹۷۶ء ص ۵۳۶۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن

۱۸۵۱ - ۱۹۲۰ء

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے اوائل کے ممتاز عالم، سربرآوردہ مجاہد رہنما اور نامور شیخ طریقت تھے۔ وہ دیوبند (ضلع سہارنپور، ہندوستان) کے عثمانی شیوخ کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جسے علم وعمل، شرافت ودینداری کے علاوہ دنیوی وجاہت بھی حاصل تھی۔ ان کے والد مولانا ذوالفقار علی عربی زبان کے مشہور ادیب تھے۔ دیوان الحماسہ، دیوان المتنبی اور سبعہ معلقات کی مفید اردو شرح، تسہیل الدرایہ، تسہیل البیان اور التعلیقات علی السبع المعلقات ان کی بہترین علمی یادگاریں ہیں۔ قصیدۂ بردہ اور قصیدۂ بانت سعاد کی شرح میں عطرالوردہ اور الارشاد ان کے علم وفضل کا ثبوت ہیں، علمِ معانی وبیان میں انہوں نے اردو میں "تذکرۃ البلاغت" لکھا۔[1]

مولانا محمود حسن ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء میں بریلی میں پیدا ہوئے، جہاں ان کے والد مولانا ذوالفقار علی ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ انہوں نے فارسی کی سب کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتب اپنے چچا سے پڑھیں۔ ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تو مولانا محمود حسن دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم تھے۔ انہوں نے کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتابیں مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم سے پڑھیں اور سفر وحضر میں بھی ان کے ہمراہ رہے۔ ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں بطور

---

[1] حسین احمد: نقش حیات، ۲: ص: ۱۳۱؛ مطبوعۂ دیوبند۔

معین مدرس دارالعلوم میں پڑھانے لگے۔ چند برس کے بعد وہ کتب حدیث کا درس دینے لگے۔[۱]

۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں وہ اکابر علماء اور مشائخ کی معیت میں فریضۂ حج اور زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہوئے۔ اس زمانے میں شاہ عبدالغنی مجددی دہلی سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور ساری دنیائے اسلام کو اپنے علم و فضل سے مستفید فرما رہے تھے۔ شاہ صاحب اپنے زمانے کے باکمال اور شہرۂ آفاق محدث تھے، جن کی سند حدیث شاہ محمد اسحٰق کے واسطے سے شاہ ولی اللہ تک منتہی ہوتی ہے۔ تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ حرمین میں جتنی مرجعیت، مقبولیت اور محبوبیت شاہ عبدالغنی مجددی کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی ہندوستانی عالم کو حاصل نہیں ہو سکی۔[۲]

مولانا محمود حسن نے ان سے اجازت و سند حدیث لی اور مکۂ معظمہ سے واپس آکر حاجی امداد اللہؒ سے بیعت ہوئے۔

۱۳۰۵ھ میں محمود حسن دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنے تبحر علمی، فرض شناسی، تندہی اور دلسوزی سے اس کو دنیائے اسلام کی ایک مرکزی درسگاہ بنا دیا۔ ان کے زمانے میں ہندوستان کے علاوہ افغانستان، ترکستان اور انڈونیشیا تک کے طلبۂ علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم و تربیت سے مستفید ہوئے۔ شیخ الہند کو جملہ علوم دینیہ میں رسوخ حاصل تھا، لیکن ان کے درس حدیث کی شہرت تمام ہندوستان میں تھی۔ ان کے درس حدیث

---

[۱] اصغر حسین: حیات شیخ الہند: ص ۱۵ تا ۲۲، لاہور ۱۹۷۷ء۔
[۲] الکتانی: فہرس الفہارس ۲: ۱۶۲۔
: عبدالحی: نزہۃ الخواطر، ۷: ۲۸۹، ۲۹۰، مطبوعہ حیدرآباد دکن۔

کی نمایاں خصوصیت جمع بین الاقوال الفقہاء و الاحادیث تھی اور یہی شاہ ولی اللہ کے خاندان کا طرزِ تعلیم تھا۔[۱]

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں چند در چند ایسے حوادث پیش آئے کہ محمود حسن کو سیاست میں عملی طور پر حصّہ لینا پڑا۔ ہندوستان میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کے اعلان (۱۹۱۱ء) کے صدمے سے مسلمان جانبر نہیں ہوئے تھے کہ طرابلس (۱۹۱۱-۱۹۱۲ء) اور بلقان (۱۹۱۲-۱۹۱۳ء) کی جنگوں نے دنیائے اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ طرابلس خلافت عثمانیہ کے زیر اقتدار تھا، لیکن اٹلی نے دول یورپ کے اشارے پر طرابلس پر حملہ کر دیا اور حکومت برطانیہ نے ترکوں کو مصر کے راستے فوج گزارنے کی اجازت نہ دی چنانچہ مقامی عربوں اور ترکوں کی شدید مزاحمت کے باوجود اٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد بلقان کی ریاستوں نے یورپی طاقتوں کی انگیخت پر ترکیہ کے خلاف بغاوت کر دی (۱۹۱۲-۱۹۱۳ء) بلقانیوں نے مسلمانوں کی آبادی کو جو جنگ میں شریک نہ تھی، اندھا دھند قتل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ہزاروں ترکوں کو دارالخلافہ قسطنطنیہ میں پناہ لینی پڑی اور آخر میں ترکیہ کو ان ریاستوں سے دستبردار ہونا پڑا۔ ان جنگوں میں ترک شہداء اور زخمیوں کا شمار ایک لاکھ نفوس تھا۔[۲]

ان واقعات نے دنیائے اسلام میں یورپی طاقتوں، بالخصوص انگریزوں کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ ان حوادث سے ہندوستانی مسلمان بھی

---

[۱] اصغر حسین: حیات شیخ الہند ص ۳۲ تا ۳۷، لاہور: ۱۹۷۷ء

[۲] حسین احمد: نقشِ حیات، ۲: ۱۲۷، مطبوعۂ دیوبند۔

شدید متاثر ہوئے۔ انہیں صاف نظر آرہا تھا کہ ان جنگوں کے پس پشت انگریزوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور وہ روس سے مل کر خلافت عثمانیہ کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کی تمام تر ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں، جو نہ صرف خلافت بلکہ دنیائے اسلام کے پاسبان تھے اور ان کا سلطان خادم الحرمین الشریفین کہلاتا تھا۔ اس زمانے میں شبلی اور اقبال کی نظموں اور علی برادران اور ابوالکلام آزاد کی تقریروں اور تحریروں نے ملک میں حکومت برطانیہ کے خلاف آگ سی لگا دی۔ ترکوں کی حمایت میں جلسے ہوئے، ان کی فتح و نصرت کے لئے مدارس عربیہ میں صحیح بخاری کے ختم کا اہتمام ہوا، مساجد اور خانقاہوں میں سلطنت عثمانیہ کی سلامتی اور بقا کے لئے صبح و شام دعائیں ہونے لگیں، عوام نے لاکھوں روپے چندہ کر کے انجمن ہلال احمر استنبول کے نام بھجوائے اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سربراہی میں ترک مجروحین کی مرہم پٹی کے لئے طبی وفد بھجوایا۔[1]

مولانا محمود حسن نے چند روز کے لئے دارالعلوم بند کر دیا، انہوں نے اپنے شاگردوں کو ساتھ لیکر مختلف مقامات کا دورہ کیا اور آفت زدہ ستم رسیدہ اور فاقہ کش ترکوں کی مدد کے لئے مسلمانوں کو آمادہ کیا، دارالعلوم میں انجمن ہلال احمر کی شاخ قائم کی اور تقریباً ایک لاکھ روپیہ استنبول بھجوایا۔[2]

---

[1] ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI: ULEMA IN POLITICS ص ۲۳۳ کراچی: ۱۹۷۲ء

[2] اصغر حسین: حیات شیخ الہند ص ۲۲۱، ۲۲۲، لاہور، ۱۹۷۷ء؛ حسین احمد: سفرنامہ شیخ الہند ص ۵ مطبوعہ دیوبند

ان خونین واقعات کی یاد مسلمانان ہند کے دلوں میں تازہ تھی کہ جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) کا ہلاکت خیز واقعہ پیش آیا۔ اس جنگ میں ترک انگریزوں کے خلاف جرمنوں کے حلیف تھے۔ مولانا محمود حسن جن کی گہری نظر واقعاتِ عالم اور بالخصوص ہندوستان و ممالک اسلامیہ کے حالات پر مرکوز رہتی تھی، ان حوادث سے اتنے متأثر ہوئے کہ ان کے لئے دن کا چین اور رات کی نیند حرام ہوگئی۔ اب ان کا خیال اس یقین میں بدل گیا کہ جب تک انگریز ہندوستان سے نہ نکلیں گے ممالک اسلامیہ اور افریقہ پر بھی انگریزوں کا اقتدار ختم نہ ہوگا۔ ان حالات نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اپنا دینی فرض سمجھتے ہوئے میدانِ عمل میں نہ صرف خود اتریں بلکہ ہندوستان کے دوسرے ذی اثر علماء اور دوسرے مسلم قائدین کے ساتھ مل کر حالات کا مقابلہ کریں۔ [1] بہر حال مولانا تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھے۔

مولانا کے بہت سے شاگرد اور احباب پنجاب سرحد اور سندھ میں تھے، ان کو ہمنوا بنانے کے لئے انہوں نے اپنے معتمد علیہ حضرات بھیجے ــ یاغستان (آزاد قبائل) میں بھی ان کے بہت سے شاگرد اور مدّاح موجود تھے۔ سیّد احمد شہیدؒ کی جماعت مجاہدین کے بہت سے افراد ستھانہ میں مقیم تھے، مولانا محمود حسن نے مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا سیف الرحمٰن کو آزاد قبائل میں تبلیغ جہاد کے لئے بھیجا اور حاجی ترنگ زئی کو بھی تحریک

---

[1] INDIAN MUSLIMS M. MUJIB

ص ۳۹۹ تا ۴۰۰ : لنڈن ۱۹۶۷ء

جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ اس تحریک کا مرکز یاغستان قرار پایا جہاں سے سرحد پر حملے ہونے لگے۔[1]

مولانا محمود حسن مجاہدین کو رسد اور روپے بھیجتے رہے لیکن انہیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ تحریک کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ کسی اسلامی سلطنت کی تائید وحمایت حاصل کی جائے، چنانچہ ۱۹۱۵ء میں مولانا نے مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل بھیجا کہ وہ امیر حبیب اللہ خاں کو جہاد پر مائل کر سکیں، لیکن وہ متذبذب رہے اور کوئی مدد نہ کر سکے تا آنکہ امیر امان اللہ خان نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔[2]

اس اثناء میں ترکوں کے خلاف سات آٹھ محاذ جنگ کھل چکے تھے اور ان پر روسیوں اور انگریزوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ترکوں کی حمایت کے الزام میں ہندوستان میں علی برادران اور مولانا ابوالکلام آزاد نظر بند کئے جا چکے تھے اور مولانا محمود حسن کی گرفتاری بھی متوقع تھی۔ اب مولانا نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے مشورے سے براہ حجاز استنبول پہنچنے کا ارادہ کیا۔

مولانا محمود حسن ماہ شوال ۱۳۳۳ھ/اگست ۱۹۱۵ء کو عازم حج ہوئے اور براستہ بمبئی جدے ہوتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ہندوستان کی سی آئی ڈی بھی سائے کی طرح ساتھ تھی۔ مکہ معظمہ میں دہلی کے مشہور تاجر حاجی علی جان کے خاندان کا بڑا کاروبار تھا اور ترک حکام کے ہاں ان کا بڑا اعتبار اور احترام تھا۔ مولانا نے اس

---

[1] ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI : ULEMA IN POLITICS
ص ۲۲۴، کراچی ۱۹۷۲ء

[2] محمد میاں: علمائے حق، ۱: ۱۳۶، مطبوعہ دیوبند
: محمد سرور: مولانا عبیداللہ سندھی، ص ۲۹، ۳۰، بار پنجم لاہور: ۱۹۷۶ء

خاندان کے بعض افراد کے توسط سے گورنر مکہ غالب پاشا سے ملاقات کی اپنی آمد کا مقصد بیان کیا اور یہ درخواست کی کہ انہیں ترکیہ کے وزیر جنگ انور پاشا کے پاس استنبول بھجوا دیا جائے۔ غالب پاشا نے تمام باتیں سن کر گورنر مدینہ، بصری پاشا کے نام تحریر لکھ دی کہ مولانا ہمارے معتمد علیہ شخص ہیں، ان کا احترام کیا جائے اور انہیں استنبول پہنچا دیا جائے۔ مولانا مدینے پہنچے تو پتہ چلا کہ انور پاشا اور جمال پاشا شام اور سویز کے جنگی محاذوں کے معائنے کے بعد روضۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مدینے آرہے ہیں۔ ان کی آمد پر مولانا محمود حسن نے مفتی مدینہ کی وساطت سے انور پاشا سے بند کمرے میں ملاقات کی، غالب پاشا گورنر مکہ کا خط پیش کیا اور ہندوستان کی تحریک آزادی میں امداد و اعانت کی درخواست کی۔ انور پاشا نے تمام باتیں توجہ و ہمدردی سے سنیں اور انہیں ہر طرح سے امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ مولانا نے اصرار کیا کہ وہ اس مضمون کی تحریر ترکی، عربی اور فارسی زبانوں میں لکھ دیں تاکہ یہ تحریر ہندوستان بھجوائی جا سکے۔ مولانا نے یہ بھی درخواست کی کہ انہیں بالا بالا حدود افغانستان تک بھجوا دیا جائے۔ انور پاشا نے اس سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ روس نے اپنی فوجیں ایران میں داخل کر کے افغانستان کا راستہ مسدود کر دیا ہے، اس لئے آپ فی الحال حجاز ہی میں قیام کریں۔ اس کے بعد انور پاشا شام کو روانہ ہو گئے اور چند دنوں کے بعد انہوں نے یہ تحریریں ترکی، عربی اور فارسی زبانوں میں لکھ کر بھیج دیں، جس میں ہندوستانیوں کے مطالبۂ آزادی کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے ہر طرح کی امداد و اعانت کا وعدہ کیا تھا اور ہر شخص کو، جو کہ ترکی رعایا یا حاکم تھا، حکم تھا کہ وہ مولانا محمود حسن پر اعتماد کرے اور ان سے ہر طرح کا تعاون کرے۔[1]

---

[1] عبدالحی: نزہتہ الخواطر، ۸: ۷۴، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء۔

مولانا محمود حسن نے یہ تمام دستاویزات لکڑی کے صندوق کے ایک تختے میں رکھ کر ہندوستان بھجوا دیں اور یہاں سے اس کی فوٹو کاپیاں تحریک کے مختلف مراکز کو روانہ کر دی گئیں۔[1]

رولٹ کمیٹی کے مطابق مولانا محمد میاں انصاری، حیدرآباد سندھ کے نومسلم شیخ عبدالرحیم راجا رہ کرپلانی، سابق جنرل سیکرٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے برادر بزرگ، کی وساطت سے ریشمی پارچات پر خفیہ پیغامات لکھ کر مولانا محمود حسن کو بھیجا کرتے تھے۔ اس خط و کتابت کو انہوں نے ریشمی رومال کی سازش کے نام سے تعبیر کیا ہے۔[2]

اب مولانا کا یہ ارادہ تھا کہ کسی طرح ایران کے راستے بالا بالا یاغستان پہنچ جائیں، مگر روسی اور انگریزی جہازوں نے بحری راستہ روک رکھا تھا، پھر انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی طرح بحری راستے سفر کیا جائے اور بمبئی کے بجائے بلوچستان کی کسی بندرگاہ پر اتر کر یاغستان میں داخل ہو جائیں۔ واپسی سے پہلے وہ غالب پاشا سے ملاقات کے لئے طائف گئے، لیکن وہاں جا کر محصور ہو گئے

ے[1] ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI: ULEMA IN POLITICS

ص: ۲۵۰، ۲۵۱: کراچی ۷۲ ۱۹ء

ے[2] SEDITION COMMITTEE REPORT

پیراگراف ۱۶۴، کلکتہ ۱۹۱۸ء ص ۲۱۴ تا ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۲۰،

ZIYA-UL-HASSAN FARUQI: THE DEOBAND SCHOOL

، ص: ۶۱: کلکتہ ۱۹۶۳ء

اور بڑی مشکل سے مکہ معظمہ پہنچے۔ اب حج کا موسم قریب آ رہا تھا، مولانا نے یہ مناسب سمجھا کہ حج سے فارغ ہو کر واپسی کا قصد کیا جائے، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔[1]

مولانا محمود حسن مکہ معظمہ پہنچے تو شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ محرم ۱۳۳۵ھ / اکتوبر ۱۹۱۶ء کی آخری تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظمہ نے ایک محضر تیار کیا، جس میں ترکوں کو کافر و غاصب اور خائن ٹھہرایا گیا تھا۔ دوسرے علماء کے علاوہ یہ محضر مولانا محمود حسن کی خدمت میں تصدیق اور تصویب کے لئے پیش کیا گیا، مگر انہوں نے محضر پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ شریف حسین کو پتہ چلا تو وہ بہت برہم ہوا اور اس نے حکم دیا کہ مولانا محمود حسن کو گرفتار کر لیا جائے۔ اس گرفتاری میں انگریزوں کا مشورہ بھی شامل تھا کیونکہ وہ حجاز میں مولانا کی سرگرمیوں کو بڑی تشویش سے دیکھ رہے تھے، چنانچہ انہیں ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ کو حراست میں لے کر جدے پہنچا دیا گیا اور وہاں انگریز حکام کے حوالے کر دیا گیا۔ قاہرہ میں ان سے پوچھ گچھ ہوتی رہی، بالآخر وہ ۱۵ فروری ۱۹۱۷ء کو مالٹا بھیج کر نظر بند کر دیئے گئے۔[2]

مولانا محمود حسن نے مالٹا میں قید و بند کا زمانہ نہایت عزم و ہمت اور صبر و استقلال سے گزارا۔ ان کا بیشتر وقت عبادت میں گزرتا تھا

---

[1] حسین احمد: نقشِ حیات، ۲: ۲۱۲ تا ۲۳۰، مطبوعۂ دیو بند۔
[2] " " : اسیرِ مالٹا: ص ۷۶ تا ۱۰۵، لاہور ۱۹۷۴ء۔

انہوں نے یہیں قرآن مجید کا اُردو ترجمہ مکمل کیا۔ اس اثناء میں ان کی رہائی کے لئے ہندوستان میں تحریک جاری تھی، آخر کار وہ تین برس دو ماہ کی نظر بندی کے بعد مالٹا سے ہندوستان روانہ کر دیئے گئے اور ۸ جون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچنے پر رہا کر دیئے گئے اور وہ ۱۴ جون ۱۹۲۰ء کو بخیریت دیو بند واپس پہنچ گئے۔

مولانا محمود حسن کے زمانۂ اسیری میں ترکوں کو عربوں کی غداری کی وجہ سے شکست ہو چکی تھی، قسطنطنیہ، بغداد اور بیت المقدس پر انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حجاز پر اگرچہ شریف حسین کا قبضہ تھا، لیکن حکم انگریزوں کا چلتا تھا۔ غرض کہ عالمِ اسلام اس وقت نزع کے عالم میں تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے تحفظ خلافت اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے تحریکِ خلافت جاری کی ہوئی تھی۔ جلیانوالہ باغ (امرتسر) کے خونیں واقعے اور مارشل لاء کے حوادث کی وجہ سے ہندوستان کے تمام باشندے حکومت سے برگشتہ ہو رہے تھے۔ مولانا محمود حسن بھی آتے ہی دل و جان سے تحریکِ خلافت میں شامل ہو گئے۔ مجلسِ خلافت نے انہیں شیخ الہند کا خطاب دیا۔ اس زمانے میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بعض طلبہ نے حضرتِ شیخ الہند سے ترکِ موالات کا فتویٰ حاصل کر لیا، جس کا یہ مضمون تھا کہ :۔

(۱) تمام مسلمان اعدائے اسلام سے تعاون ترک کر دیں۔
(۲) سرکاری اعزازات وخطابات واپس کر دیں۔
(۳) ملکی مصنوعات کا استعمال کریں۔
(۴) ملک کی کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کر دیں۔

(۵) سرکاری سکولوں اور کالجوں میں اپنے بچے نہ داخل کرائیں۔

اس کے بعد یہی فتویٰ جمعیتہ العلمائے ہند کے متفقہ فتوے کی صورت میں تقریبًا پانچ سو علماء کے دستخطوں سے شائع ہوا۔[1]

غرض یہ کہ اسی تحریک اور اسی فتویٰ کی بنا پر مسلم نیشنل یونیورسٹی (جامعہ ملیہ اسلامیہ) کی تاسیس ہوئی جس کا افتتاح ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو شیخ الہند کے ہاتھوں ہوا۔ اس تقریب سے فارغ ہو کر انہوں نے جمیتہ العلماء کے اجلاس دوم منعقدہ دہلی کی صدارت کی۔ اس میں انگریزوں سے ترک موالات اور تحفظ ملت اور تحفظ خلافت پر زور دیا گیا تھا۔[2]

ہندوستان پہنچنے کے بعد شیخ الہند کی صحت روز بروز گرنے لگی تھی۔ وہ وجع المفاصل اور لبواسیر کے پرانے مریض تھے اور واپسی پر یہی امراض عود کر آئے تھے۔ اسی اثناء میں ان کی اہلیہ محترمہ نے انتقال کیا۔ ان ایام میں دیوبند میں موسمی بخار اور تپ لرزہ کا بھی زور تھا۔۔۔ شیخ الہند نے بیماری کی حالت میں علیگڑھ اور دہلی کے مذکورہ بالا سفر کئے تھے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے نہایت توجہ اور دلسوزی سے ان کا علاج کیا، مگر شیخ الہند کی طبیعت سنبھل نہ سکی اور وہ ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی میت دہلی سے

---

[1] ISHTIAQ HUSSAIN QURESHI: ULEMA IN POLITICS
ص ۲۶۸ تا ۲۶۹، کراچی ۱۹۷۲ء

[2] محمد میاں: علمائے حق: ۱: ۲۰۹ تا ۲۳۰ مطبوعہ دہلی۔

دیوبند لائی گئی اور انہیں مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند کے پہلو میں دفن کر دیا گیا[1]

مولانا محمود حسن بنیادی طور پر مصلح عالم اور شیخ طریقت تھے۔ ان کا اصل کام درس و تدریس اور تزکیہ و تربیت تھا۔ انہیں بعض حالات اور قومی ضروریات کے تحت عملی سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ وہ برطانوی استعمار کو دنیائے اسلام کا کٹر دشمن سمجھتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک ہندوستان پر انگریز قابض رہیں گے دنیائے اسلام پر بھی ان کا اقتدار قائم رہے گا۔ انہوں نے علماء کو مسجد کے حجروں اور درس کے حلقوں سے باہر نکالا اور ان میں حریت طلبی، قومی ہمدردی اور راہِ حق میں جاں نثاری اور فداکاری کی روح پھونک دی۔ اعلائے کلمۃ الحق کی پاداش میں مولانا محمود حسن کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بننا پڑا، لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ انہوں نے تمام مشکلات و مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کیے، لیکن حرف شکایت کبھی زبان پر نہ لائے۔ حلم، تواضع اور صبر و استقلال انکے اخلاق کی نمایاں خصوصیات تھیں[2]۔

عملی سیاست نے انہیں وسیع القلب اور وسیع النظر بنا دیا تھا۔ وہ معاصر علماء کے قدردان اور مرتبہ شناس تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم غافل تھے لیکن الہلال (کلکتہ) کی دعوت نے ہمیں آمادۂ عمل کیا۔ علی برادران، ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حکیم اجمل خان سے ان کے خصوصی تعلقات

---

[1] اصغر حسین: حیات شیخ الہند، ص: ۸۰ تا ۹۵، لاہور ۱۹۷۷ء۔

[2] عبدالحی: نزہۃ الخواطر، ۸: ۴۶۸، حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء۔

تھے اور وہ سیاسی معاملات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ انہیں جدید تعلیم یافتہ حضرات سے بھی بڑی محبت تھی۔ ان کا یہ مشہور قول ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں قبول حق کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے ان کی یہ بڑی آرزو تھی کہ دیوبند اور علیگڑھ میں جو فکری اور نظری فاصلہ ہے، اسے کم کیا جائے اور دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔[1] مگر اس وقت کے ہنگامہ خیز حالات میں یہ تجویز شرمندۂ عمل نہ ہو سکی۔

شیخ الہند کے حلقۂ درس سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالبعلم فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ ان میں ممتاز ترین تلامذہ یہ ہیں:۔

۱۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ
۲۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۳۔ مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ
۴۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
۵۔ مولانا شیر زمانؒ ہزاروی
۶۔ مولانا اعزاز علی امروہویؒ
۷۔ مولانا گل حسنؒ ہزارویؒ
۸۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
۹۔ مولانا عزیز گل سرحدیؒ
۱۰۔ مولانا عماد الدین شیر کوٹیؒ
۱۱۔ مولانا محمود احمد ہزاروی
۱۲۔ مولانا ڈاکٹر مصطفےٰ احسن علوی[1]
۱۳۔ مولانا محمد صادق کراچوی
۱۴۔ مولانا محمد سعید مری
۱۵۔ مولانا محمد سہول بھاگلپوری
۱۶۔ مولانا فضل ربی ہزاروی
۱۷۔ مولانا فیض الحکم پشاوری
۱۸۔ مولانا محمد حسین ہزاروی
۱۹۔ مولانا حاجی محمد حسین ہزاروی
۲۰۔ مولانا عبد الحی فاروقی
۲۱۔ مولانا عبد الحکیم ہزاروی
۲۲۔ مولانا عبد الحمید بھاگلپوری

---

1 ZIYA-UL-HASSAN FARUQI: THE DEOBAND SCHOOL صے ۱۱۶، کلکتہ ۱۹۶۳ء

۲۳۔ مولانا عبدالحکیم بھیروی
۲۴۔ مولانا عبدالحفیظ بہاری
۲۵۔ مولانا ضیاء الحق دیوبندی
۲۶۔ مولانا عالم دین کشمیری
۲۷۔ مولانا کفایت اللہ دہلوی
۲۸۔ مولانا خان زمان ہزاروی
۲۹۔ مولانا شائق احمد عثمانی
۳۰۔ مولانا عبدالعلی الحسنی، ڈاکٹر
۳۱۔ مولانا عبدالرحمٰن پنڈی سریال
۳۲۔ مولانا عبدالرحیم پوپلزئی
۳۳۔ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری
۳۴۔ مولانا عبدالحق پڑانگ
۳۵۔ مولانا خلیل الرحمٰن ہزاروی
۳۶۔ مولانا احمد شیر ہزاروی
۳۷۔ مولانا حمیدالدین مانسہروی
۳۸۔ مولانا برہان الدین ہزاروی
۳۹۔ مولانا سید اصغر حسین
۴۰۔ مولانا امین الدین
۴۱۔ مولانا احمد جان ہزاروی
۴۲۔ مولانا سید احمد مدنی
۴۳۔ مولانا وارث حسن
۴۴۔ مولانا محمد یعقوب بلوچستانی
۴۵۔ مولانا محمد یعقوب ہزاروی
۴۶۔ مولانا محمد نعیم لدھیانوی
۴۷۔ مولانا مہدی حسن
۴۸۔ مولانا عطا محمد ہزاروی
۴۹۔ مولانا غلام نبی ہزاروی
۵۰۔ مولانا فاروق احمد
۵۱۔ مولانا فخرالدین احمد
۵۲۔ مولانا فضل الحق ہزاروی
۵۳۔ مولانا فضل حق ہزاروی
۵۴۔ مولانا فقیر اللہ
۵۵۔ مولانا کریم بخش سنبھلی
۵۶۔ مولانا ماجد علی
۵۷۔ مولانا مبارک حسین
۵۸۔ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی
۵۹۔ مولانا محمد اسرائیل
۶۰۔ مولانا محمد اسماعیل
۶۱۔ مولانا وصی اللہ
۶۲۔ مولانا احمد نور ہزاروی
۶۳۔ مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری
۶۴۔ مولانا شبیر علی تھانوی

۶۵۔ مولانا مظہر الدین شیر کوٹیؒ
۶۶۔ مولانا محمد میاں انصاری
۶۷۔ مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ
۶۸۔ مولانا عبدالمجید سنبھلی
۶۹۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری
۷۰۔ مولانا نورالحق علوی
۷۱۔ مولانا عبدالرحمٰن گنجوی
۷۲۔ مولانا سکندر علی ہزاروی
۷۳۔ مولانا غلام محمود پیلاں
۷۴۔ مولانا عبداللہ بہلوی
۷۵۔ مولانا عزیزالدین عظامی
۷۶۔ مولانا ولی احمد برہالوی
۷۷۔ مولانا قاری عبدالوحید
۷۸۔ مولانا عبدالرزاق پشاوری
۷۹۔ مولانا محمد یحییٰ سہسرامی
۸۰۔ مولانا عبدالسمیع دیوبندی
۸۱۔ مولانا محمد اسحاق کٹھوری
۸۲۔ مولانا خورشید احمد
۸۳۔ مولانا عبدالرحمٰن کیابالا
۸۴۔ مولانا سخی شاہ ہزاروی
۸۵۔ مولانا غلام مرشد لاہوری
۸۶۔ مولانا عبداللہ لدھیانوی
۸۷۔ مولانا شریف اللہ سواتی
۸۸۔ مولانا خیرالدین اٹکی

مولانا محمود حسن درس وتدریس کی شدید مصروفیتوں کے باوجود لکھنے کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے، ان کی تصنیفات یہ ہیں:۔

۱۔ ترجمہ قرآن مجید: قرآن مجید کا عام فہم اردو ترجمہ مع مفید حواشی، سورۃ المائدہ تک حواشی مولانا محمود حسن نے لکھے تھے اور بقیہ حواشی و فوائد مولانا شبیر احمد عثمانی نے لکھ کر پورے کئے۔ یہ ترجمہ برصغیر پاک وہند میں بے حد مقبول ہوا ہے اور بھارت (مدینہ پریس بجنور) و پاکستان (تاج کمپنی لاہور) اور مغربی جرمنی (ہمبرگ) میں چھپ کر شائع ہوچکا ہے۔ حکومت افغانستان نے یہ ترجمہ مع حواشی فارسی میں ترجمہ کراکر کابل سے شائع کیا ہے۔ نیز یہ ترجمہ

مدینہ منورہ سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوچکا ہے۔
(۲) تقریر ترمذی (عربی) یہ تقریر ترمذی شریف کے حاشیے پر چھپ چکی ہے اور مقبول عام ہے۔
(۳) حاشیہ سنن ابی داؤد (عربی) (دہلی ۱۳۱۸ھ)
(۴) تراجم الابواب بخاری مطبوعہ دیوبند: صحیح بخاری کے تراجم کی مناسبت اور تشریحات میں ہے ۔۔۔۔۔ آخر میں الواب بخاری کی نہایت مفید فہرست ہے: حاشیہ مختصر المعانی: سعدالدین التفتازانی کی شرح تلخیص المفتاح پر مفید حاشیہ جو دہلی اور کراچی میں کئی بار چھپ چکا ہے[۱]
(۵) ایضاح الادلہ: فقہ کے بعض اختلافی اور نزاعی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے حنفی نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ (مطبوعہ دیو بند)
(۶) شرح اوثق العری فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ (مطبوعہ دیو بند)
دیہات میں نماز جمعہ کے عدم جواز میں (مطبوعہ دیوبند)
(۷) جہد المقل فی تنزیہ المعز والمذل (مطبوعہ دیوبند) اس میں شاہ اسمٰعیل شہید کا دفاع کیا گیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے[۲]

خلفاء:۔ آپ کے خلفاء کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔
۱۔ مولانا سعید احمد چاٹگامی فاضل دیو بند ۱۳۲۲ھ
۲۔ مولانا فقیر اللہ بانی جامعہ رشیدیہ جالندھر (ساہیوال)
۳۔ مولانا مفتی محمد سہول صاحب سابق استاذ مفتی دار العلوم دیو بند
۴۔ مولانا عبد الرحمٰن ندوی سابق استاذ تفسیر ندوۃ العلماء لکھنو۔

---

[۱] فیوض الرحمٰن ڈاکٹر: مشاہیر علماء: لاہور: ۱: ۳
[۲] " " : حاجی امداد اللہ کراچی

مولانا مخلص الرحمٰن بنگالی

آپ "بیل تلی" چاٹگام کے رہنے والے تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور تکمیلِ سلوک کے بعد خلعتِ خلافت سے سرفراز کئے گئے۔

مولانا مفتی عزیز الحق کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ مولانا عمیر الدین صاحب رنگون تشریف لے گئے تو حضرت مولانا مخلص الرحمٰن صاحب کے قریب کے کچھ لوگ بیعت کے لئے حاضرِ خدمت ہوئے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ "تمہارے پاس مولانا مخلص الرحمٰن صاحب موجود ہیں، ان کی خدمت میں جاکر بیعت ہو جاؤ۔" حالانکہ اس سے پہلے نہ حضرت مولانا موصوف نے اپنی حالت ظاہر کی اور نہ لوگوں نے سمجھنے کی کوشش کی، اس کے بعد لوگ جوق در جوق مولانا موصوف کے سلسلہ میں داخل ہونے لگے اور اس جانب طلبِ الٰہی کا بازار گرم ہوا۔ آپ کی طبیعت بہت سادہ تھی، حصولِ خلافت کے بعد وطن آکر ایک عام آدمی کی طرح چٹائی کی تجارت شروع کر دی، چونکہ آپ بہت خاکی مزاج اور مخفی مزاج بزرگ تھے، اس لئے آپ کو کوئی پہچان نہ سکا۔

آپ بیل تلی چاٹگام کے باشندہ ہیں اور وہیں آپ کا مدفن ہے۔[1]

تذکرۃ الرشید میں حضرت کے خلفاء میں آپ کا نامِ نامی موجود ہے۔[2]

---

[1] تذکرہ کا مواد "تذکرہ منیر" کے حاشیہ سے ماخوذ ہے۔

[2] مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، ج ۲ ص ۱۶۰۔

مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

(۱۸۲۳ء —— ۱۸۸۵ء)

شیخ عالم محدث محمد مظہر بن لطف علی بن محمد حسن صدیقی حنفی نانوتوی فقہ و حدیث کے ممتاز علماء میں سے تھے، ولادت اور نشو و نما نانوتہ، ضلع سہارنپور میں ہوئی، تحصیل علم کے لیے دہلی کا سفر کیا، مولانا مملوک علی، شیخ صدرالدین، شیخ رشیدالدین اور حدیث کی بعض کتابیں شیخ اجل محمد اسحاق بن محمد افضل دہلوی سے پڑھیں، ایک عرصہ تک مطبع نولکشور میں تصحیح کا کام کرتے رہے، طلبہ ان سے فقہ، اصول اور کلام کی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے، اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے امام محمد قاسم نانوتوی نے پڑھا ہے، ان سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر صدارت تدریس پر فائز ہوئے اور اپنی تمام صلاحیتیں کتاب و سنت کی تدریس میں لگا دیں، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شوال ۱۲۸۳ھ میں علوم و فنون کی تدریس پر مامور ہوئے، اور یہ وہ مبارک مدرسہ ہے جس کی تاسیس مولانا سعادت علی سہارنپوری کے ہاتھوں ہوئی، اور وہ سید امام شہید احمد بن عرفان بریلوی کی جماعت کے ایک فرد تھے۔ بڑے متبحر عالم فنون کے بھی ماہر تھے، امام رشید احمد بن ہدایت احمد گنگوہی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور انھوں نے آپ کو اجازت بیعت سے نوازا، قرآن مجید کی بہت تلاوت کرتے تھے۔ ہمیشہ ذکر میں لگے رہتے، اسم ذات کے ذکر سے زبان تر رہتی تھی، تکلف سے کوسوں دور، زاہد، پرہیزگار، صاحب وقار اور بارعب تھے۔

بروز اتوار ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی، ان کی وفات پر مولانا محمد سعید نے درج ذیل مصرعہ میں تاریخ نکالی۔

عہ زیں جہاں نقل مکان کرد بدار جنات[1]

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا لکھتے ہیں:۔

دوسرا حادثہ جو سابقہ جملہ حوادث سے کہیں زیادہ تھا وہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کا وصال تھا جو ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ مطابق اکتوبر ۱۸۸۵ء[2] کی شب میں آٹھ بجے کے قریب بمرض درد گردہ پیش آیا حضرت ممدوح نور اللہ مرقدہ گویا ابتداء مدرسہ سے اب تک علاوہ انتہا تعلیم کے ہر نوع کا جزوی نظم فرماتے تھے، مدرسہ کی ہر نوع کی خبر گیری نگرانی حضرت ہی کے حوالہ تھی، اس حادثہ کی وجہ سے عام طلبہ پر بالخصوص طلبہ حدیث پر اثر ہونا یقینی[3] تھا۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اعلیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے عمر میں بڑے تھے لیکن حضرت کے خلفاء اور محبوب خدام میں سے تھے، مولانا عاشق الٰہی تذکرۃ الرشید میں تحریر فرماتے ہیں "مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی عمر میں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشق جانباز تھے"[3]

اور یہ بھی لکھا گیا ہے "حضرت مولانا الحاج محمد مظہر صاحب مدرس اول (مظاہر العلوم) شوال ۱۲۸۳ھ تا ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ میں شب کو ۸ بجے بمرض درد گردہ انتقال فرمایا"[4]

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری لکھتے ہیں:۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے قصبہ کے مکتب میں حاصل کی ہے اور عربی اور فارسی اور دیگر علوم و فنون کی تکمیل دہلی میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب، مفتی صدر الدین صاحب، مولانا رشید الدین صاحب سے کی ہے

---

[1] مولانا حکیم عبد الحی: نزہۃ الخواطر، حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء: ج ۸ ص ۴۵۵ (عربی سے اردو)

[2] مولانا محمد مظہر صاحبؒ کے کچھ مزید حالات اخبار "شفاء الصدور" عربی بابت ماہ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں موجود ہیں۔

[3] مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، دیوبند: ۱۳۹۲ھ ص ۵ (مولانا عاشق الٰہی، تذکرۃ الرشید ص ۱۸۱)

[4] مولانا محمد زکریا: تاریخ مظاہر، دیوبند: ۱۳۹۲ھ ص ۱۵۷۔

حدیث حضرت شاہ محمد اسحاق سے پڑھی ہے۔ ابتداء میں آپ مطبع نول کشور لکھنؤ میں کتابت کرتے تھے، جب سہارنپور کا مدرسہ قائم کیا گیا تو آپ اس کے سب سے پہلے مدرس و صدر مدرس ہوتے اور آپ ہی کے نام پر اس کا تاریخی نام "مظاہر علوم" رکھا گیا۔ آخر عمر تک مظاہر علوم سہارنپور میں خدمات تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ کے ممتاز تلامذہ میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مقدمہ اوجز المسالک میں تحریر فرماتے ہیں "ومن مفاخرہ ان الشیخ العلامۃ بحر العلوم النانوتوی أخذ عنہ بعض الکتب الابتدائیۃ" ص ۲۳۔ کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے آپ سے بعض ابتدائی کتابیں پڑھی ہیں[1]

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:۔ مولانا محمد منظر نانوتوی ابن حافظ لطف علی ۱۸۲۳ء میں نانوتہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و حفظ قرآن اپنے والد سے کیا، "دہلی کالج" دہلی میں تعلیم حاصل کی، مولانا مملوک العلی نانوتوی کے سامنے زانوئے ادب طے کیا، حدیث کی سند حضرت شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی، مولانا تحصیل علم کے بعد اجمیر کالج میں ملازم ہو گئے، وہاں سے آگرہ کالج تبادلہ ہوا، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مردانہ وار حصہ لیا،

مولانا محمد منظر کے پیر میں گولی لگی تھی، جہاد شاملی کے بعد تمام شرکاء مصائب و آلام میں مبتلا رہے۔ کچھ دنوں بریلی رہے، جب معافی عام ہوئی تو ظاہر ہوئے۔ ملازمت سرکاری سے قطع تعلق ہو گیا، گھر پر طلبہ کو درس دینا شروع کر دیا، مولانا کی شرکت جہاد کا حال اخفاء و پوشیدگی کی نذر ہو گیا[2]

رجب ۱۲۸۳ھ میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے ایک مدرسہ سہارنپور میں جاری

---

[1] مولانا عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، کراچی: ۱۹۶۴ء ص ۱۸۱، ۱۸۲۔

[2] مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری کا یہ بیان درست نہیں کہ مولانا محمد منظر نے کچھ دنوں مطبع نولکشور میں کتابت فرمائی،

کیا، مولوی سخاوت علی انبیٹھوی، مولوی عنایت علی اور حافظ قمر الدین مدرس ہوئے۔ تین مہینے کے بعد شوال ۱۲۸۳ھ میں مولانا محمد مظہر نانوتوی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر ہوئے، جب مدرسہ کی ترقی ہوئی تو حافظ فضل حق نے اپنے مکان کو مدرسہ کے لئے وقف کر دیا۔ مکان کی عمارت کو توڑ کر مدرسہ کی عمارت تعمیر کی گئی۔ حافظ فضل حق (ف ۱۳۰۲ھ) مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مرید اور مولانا محمد مظہر صاحب کے مخلص دوست تھے۔ مدرسہ تعمیر ہونے کے بعد مدرسہ کا نام مظاہر العلوم تجویز ہوا۔[1]

۱۲۷۷ھ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے ہمراہ مولانا محمد مظہر نے پہلا حج کیا، ۱۲۹۵ھ میں دوسرا حج کیا۔ مولانا محمد مظہر کے تعلقات مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے بہت خصوصیت کے تھے۔[2]

مولانا محمد مظہر حدیث و فقہ میں بڑا درک رکھتے تھے، مولانا محمد احسن نانوتوی نے جب مولانا خرم علی بلہوری کے ورثاء سے درمختار کا اردو ترجمہ اشاعت کی غرض سے خریدا تو اس کتاب کے بقیہ ترجمے اور صحت و درستی میں مولانا محمد مظہر پورے پورے شریک رہے، جیسا کہ مولانا محمد احسن نے کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔[3]

مولانا محمد مظہر نانوتوی نہایت متقی، پرہیزگار، منکسر المزاج اور نیک نفس بزرگ تھے ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۵ء میں سہارنپور میں لاولد فوت ہوئے، آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز علماء مثل مولانا خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ تھے۔[4]

---

[1] مظاہر العلوم کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو فرنگیوں کا جال: مولانا امداد صابری دہلی ۱۹۴۵ء صـ ۱۸۹، [2] مولانا منصور علی خان: مذہب منصور، حیدر آباد دکن: ج ۲ صـ ۱۸ [3] ملاحظہ ہو غایۃ الاوطار صـ ۶ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ [4] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الخلیل: کراچی ۱۹۷۱ء صـ ۲۱ [5] پروفیسر محمد ایوب قادری: نانوتہ کے دو فرزند: دار العلوم (ماہنامہ) دیوبند: دسمبر ۱۹۶۶ء صـ ۱۳/۱۴۔

مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری لکھتے ہیں :۔

"حضرت مولانا محمد مظہر صاحب اگر ایک طرف آزادئ ہند کے مجاہد، میدان جہاد میں انگریزوں سے نبرد آزما ہونے والے تھے تو دوسری طرف اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قلب میں ایک خاص مقام لئے ہوئے تھے، اس کا اندازہ اعلیٰ حضرت کے اس مکتوب سے ہوتا ہے جس میں تحریر فرمایا ہے کہ :۔

"اس یکتائے زمانہ کو اپنی جماعت میں اپنے دوستوں سے شمار کرتا ہوں اور دعائے خیر سے غافل نہیں، خاطر جمع فرمائیں" (مرقومات امدادیہ صفحہ ۲۳۶)

نیز لکھتے ہیں :۔

پوری تحقیق کے بعد جن حضرات کے متعلق کسی شیخ کامل کی جانب سے خلیفہ اور مجاز بیعت ہونا معلوم ہو سکا ان کے اسماء سامی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

۱ ۔ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ استاذ حدیث مجاز بیعت اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و محدث گنگوہی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ ۔

۲ ۔ مولانا سخاوت علی انبیٹھوی مجاز بیعت اعلیٰ حضرت مہاجر مکیؒ سرپرستان مدرسہ میں سے جو مجاز بیعت ہیں ۔ [1]

۱ ۔ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب ادیب مجاز بیعت اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ [2] ۔

---

[1] ۔ محمد شاہد : علمائے مظاہر : ج ۱ ص ۱۶۷

[2] ۔ " " ص ۱۶۵، ۱۶۶

سرسید احمد خاں بہادر (ف ۱۸۹۸ء) لکھتے ہیں:-

مولوی محمد منظر صاحب مرحوم! افسوس کہ مولوی محمد منظر صاحب نے جو عربی مدرسہ سہارنپور میں مدرس تھے اور ان ہی کی ذات بابرکات سے اس مدرسہ کی عزت اور رونق تھی بروز شنبہ ۳ ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انتقال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون، مولوی صاحب ممدوح بہت بڑے عالم تھے، جس زمانے میں دہلی میں طالب علم تھے اسی زمانے میں ان کی ذہانت مشہور تھی۔ تقویٰ و ورع میں بھی نہایت اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ بیس برس سے انھوں نے اپنے ہم قوموں کو علوم دینی کی فیض رسانی پر کمر ہمت چست باندھی تھی اور عربی مدرسہ سہارنپور میں پاشکستہ ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ آمدنی مدرسہ سے پچیس روپے ماہوار بقدر گزراوقات لیتے تھے اور علوم کی تعلیم میں مصروف تھے، بہت لوگ ان سے فیض یاب ہوئے مگر افسوس ہے کہ اجل نے لوگوں کو اس فیض سے محروم کر دیا[1]

آپ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی خلافت سے نوازا تھا[2]

---

[1] سرسید احمد خاں بہادر: علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ: علی گڑھ: ۱۰ ر اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ بحوالہ دارالعلوم دسمبر ۱۹۶۹ء ص ۱۳۳ و محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، کراچی: جون ۱۹۷۶ء ص ۶۰۵۔

[2] محمد شاہد: تاریخ مظاہر۔

حضرت مولانا قاری مغیث الدین سباڈھووی

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:۔

" گو اپنی حالت کا کمال درجہ اخفا۔ فرماتے ہیں مگر چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے یقیناً خلیفہ ہیں، اس لئے میں ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا،

آپ صاحب احوالِ بلند و مراتب ارجمند ہیں، آپ کے فیوض و برکات سے پنجاب کے اضلاع خصوصاً انبالہ کا گرد و نواح زیادہ شاداب و بہرہ یاب ہے، ناکارہ مؤلف کی زبان اور قلم میں طاقت نہیں کہ آپ کے حالاتِ جمیلہ بیان کر سکے، آپ کا نام سب کے آخر اس نیت سے لکھا ہے کہ اپنے حسنِ خاتمہ کا تفاؤلِ حسن بن جائے، اے کاش کہ جس نعمت سے مولانا مالا مال ہوتے ہیں اس کا شمہ اس خادمِ آستانہ کو بھی حاصل ہو[1] "

؎

---

[1] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، دہلی۔ بلا تاریخ صفحہ ۱۶۱۔

نصیرالحق کاندھلوی

مفتی الٰہی بخش صاحب کے دوسرے صاحبزادہ مولانا ابوالقاسم (م ۱۲۵۰ھ) تھے، ان کے چار فرزند مولوی محمد اسحاق، مولوی محمد یعقوب، مولوی احمد علی اور مولوی عبدالحق تھے۔ مولوی محمد یعقوب اور مولوی احمد علی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ مولوی عبدالحق کے ایک صاحبزادہ نمبردار نصیرالحق تھے۔ اوائل عمر میں آزاد منش تھے۔ آخر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت و ارادت کا تعلق پیدا کر لیا اور مجاہدہ و ریاضت سے درجۂ کمال حاصل کیا اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے[1]

"تذکرۃ الرشید" جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ پر حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں پندرھویں نمبر پر آپ کا نام آیا ہے[2]

[1] سید محمد ثانی حسنی: حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، لکھنؤ: ۱۹۶۷ء صـ ۵۳۔

[2] مولانا عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید: ج ۲ صـ ۱۶۰۔

مولانا شاہ وارث حسنؒ

۱۸۶۶ — ۱۹۳۶ء

آپ شاہ امتیاز حسن بن شاہ محمد حسن کے فرزند تھے۔ حسینی سید ہیں۔ آپ کا وطن کوڑہ جہاں آباد ضلع فتح پور ہے جو آپ ہی کے بزرگوں کا آباد کیا ہوا ہے۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں ہوئی۔

سات برس کی عمر میں قرآن مجید ختم کر لیا۔ سات برس کی عمر سے ہی صوم وصلوٰۃ کی پابندی آپ کا دستور العمل رہی۔

والد ماجد کے وصال کے بعد ماموں صاحب کی سرپرستی میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔

۱۳۱۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۱۲ھ میں مولانا مولانا محمود حسن اور دیگر اساتذہ سے حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ پھر علامہ رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پہنچے اور ان سے درس حدیث بھی لیا اور ان کے ہاتھ پہ بیعت ہو گئے اور سلوک کی تکمیل کی۔ اس کے بعد حجاز (سعودی عرب) جانا ہوا، حج کی سعادت حاصل کی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں رہ کر اصلاحِ نفس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی "اجازت بیعت" سے نوازا۔

کچھ عرصہ بنارس اور مظفر پور میں بطور صدر مدرس تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر ترکِ ملازمت کر کے لکھنؤ آ گئے اور رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ انگریزی داں طبقہ ان سے زیادہ

مستفید ہوا۔ استفادہ کرنے والوں میں جج، وکیل، بڑے بڑے افسر اور رئیس شامل تھے [۱]

آپ کا ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ جولائی ۱۹۳۶ء میں وصال ہوا اور جامع مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد لکھنؤ کے قریب دفن کئے گئے۔

علامہ حکیم عبد الحسنی لکھتے ہیں کہ "آپ عالم باعمل اور اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے"[۲]

مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں کہ "حاجی وارث حسن صاحب بھی حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے عمدہ خلفاء میں ہیں، اور مشائخانہ طریقہ اور صوفیانہ لباس رکھتے ہیں"[۳]

مولانا قاری محمد طیب قاسمی لکھتے ہیں: "آپ مشہور صاحب سلسلہ بزرگ تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی۔ انگریزی داں طبقہ بالخصوص گورنمنٹ کے بڑے بڑے عہدیدار آپ سے زیادہ مستفید ہوئے۔ ابتداءِ عہد میں آپ سے بعض خوارق کا بھی ظہور ہوا ہے"[۴]

---

[۱] فیوض الرحمن، ڈاکٹر: حضرت حاجی امداد اللہ اور انکے خلفاء: کراچی: ص ۱۰۸

[۲] ،، ،، ،، : مشاہیر علماء: لاہور: ۱۹۷۶ء ج ۱ ص ۶۵۹۔ نیز دیکھئے سید محمد ذوقی شاہ کی تربیۃ العشاق ص ۱۱۹، ۱۲۰

[۳] مشتاق احمد: انوار العاشقین: حیدر آباد دکن: ۱۹۱۴ء، ص ۸۲

[۴] مولانا قاری محمد طیب قاسمی۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند کراچی۔ ۱۹۷۲ء ص ۶۴

حضرت شاہ حافظ محمد لیسین نگینوی ؒ

(۱۲۸۵ — ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

مولانا محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں:-

"سال رواں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ کے جلسہ میں حضرت شاہ حافظ محمد لیسین صاحب نگینوی ؒ نے قدم رنجہ فرما کر اس سیہ کار پر جس قدر شفقت ولطف کا مینہ برسایا، ناکارہ اس کے تشکر سے بھی قاصر ہے، ممدوح کے متعلق یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ آپ حضرت گنگوہی ؒ کے خلفاء میں سے ہیں، پھر آپ کے اوصاف جلیلہ یک سوئی التقدس، مظہر انوار و برکات وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ جلسہ سے فراغت پر ممدوح جب مکان واپس تشریف لے گئے تو گرامی نامہ، اکرمت نامہ، عزت نامہ سے مجھے اس کا حکم فرمایا کہ فضائل قرآن میں ایک چہل حدیث جمع کر کے اس کا ترجمہ خدمت میں پیش کروں"[1]

مزید لکھتے ہیں:-

"حضرت شاہ لیسین صاحب یکے از خلفاء قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ جو ہر سال مظاہر علوم کے جلسہ میں آیا کرتے تھے اور ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ کے جلسہ کے موقع پر بہت زور سے اصرار فرما گئے۔ ان کے تعمیل ارشاد میں اوائل ذی الحجہ میں شروع ہوئی اور ۲۹ ذی الحجہ ۴۸ھ کو ختم ہوئی۔ فضائل کا یہ پہلا رسالہ ہے جو حضرت شاہ صاحب کی تعمیل حکم میں لکھا گیا، اور فضائل کا سب سے آخری رسالہ فضائل درود شریف بھی شاہ صاحب کے ارشاد سے لکھا گیا"[2]

فضائل درود شریف کی تالیف بھی حضرت شاہ لیسین صاحب نگینوی کی وصیت کے

---

[1] مولانا محمد زکریا: فضائل قرآن، دہلی: بلا تاریخ صـ۳ -

[2] " " ": یاد ایام، لاہور: " " صـ۱۲۸ -

موافق ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا وصال ۳۰ شوال ۱۳۶۰ھ شب شنبہ میں ہوا تھا، انہوں نے وصال کے وقت اپنے مخلص خادم اور اجل خلیفہ شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی دعاجو کو یہ وصیت کی تھی کہ زکریا سے کہہ دیجیو کہ جس طرح تو نے فضائل قرآن لکھی ہے، امیرے کہنے سے فضائل درود بھی لکھ دے[1]۔

"حضرت شاہ یٰسین صاحب نگینوی حضرت گنگوہی کے مجازین میں سے تھے اور مدرسہ کے سچے بہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں بکثرت تشریف لاتے تھے، امسال تیس شوال ۱۳۶۰ھ شب پنجشنبہ میں وصال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً[2]"

عزیز الکلام لکھتے ہیں:-

"قطب العارفین حضرت شاہ محمد یٰسین نگینوی نور اللہ مرقدہٗ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں، حضرت موصوف کی کسر نفسی، مجاہدہ و محاسبہ اور کشف و کرامات کے لاکھوں خواص و عوام گرویدہ تھے۔ آپ کا شمار ہندوستان کے ان معدودے چند مشائخ اور ائمہ دین میں ہوتا تھا جن کے فیوض و برکات سے ایک عالم فیض یاب ہوا[3]"

حضرت مولانا شاہ عبد العزیز دعاجو دہلوی لکھتے ہیں،

"شاہ صاحب نگینویؒ علم کے بحر ذخار تھے مگر ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی مسئلہ پر اس وقت تک اپنی رائے کا اظہار نہ فرماتے، جب تک تمام حوالوں کی تصدیق نہ فرما لیتے تھے[4]"

"نگینہ محلہ پہاڑی دروازہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ایک عارف باللہ رہتے تھے، جن کا اسم گرامی شاہ محمد یٰسین تھا جن کو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی جانب

---

[1] مولانا محمد زکریا: یاد ایام: لاہور: بلا تاریخ: ص ۱۵۴۔

[2] محمد شاہد: تاریخ مظاہر: سہارنپور: ۱۹۷۲ء: ج ۲۔ ص ۱۴۴

[3] عزیز الکلام: سوانح حضرت شاہ عبد العزیز دعاجو: کراچی: ۱۳۹۷ھ: ص ۱۹۔

[4] ایضاً

سے خلافت اور اجازت بیعت حاصل تھی، بڑے ہی صاحب فیض اور نورانی بزرگ تھے آج بھی ان کے فیوض و برکات کے نمایاں اثرات موجود ہیں، انھوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ،

"شیخ کے انتقال کے بعد منتہی کو بھی چاہیئے کہ اپنا تعلق اپنے زمانہ کے کسی شیخ سے ضرور رکھے اس سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوگا کہ عجب پیدا نہ ہوگا"[1]

حضرت شاہ صاحب کی ولادت ربیع الاول ۱۲۸۵ھ میں ہوئی، اس لحاظ سے ۸۵ سال کی عمر میں وصال ہوا، نہایت بزرگ، نہایت متواضع، نہایت کم گو، صاحب کشف اور صاحب تصرفات بزرگ تھے[2]،

خلفاء آپ کے خلفاء میں صرف ۳ حضرات ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی اور پروفیسر مولوی کریم بخش سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور ہی کا علم ہو سکا ہے،

۳۔ مولانا عبدالغنی صاحب بارہ بنکوی[3]

---

[1] مولانا مفتی عزیز الرحمٰن : ولی کامل : لاہور : ص ۲۵۲ ۔

[2] محمد شاہد : علمائے مظاہر : ج ا ص ۱۶۷

ماخذ و مصادر

۱۔ سید محبوب رضوی : تاریخ دار العلوم دیوبند (۱-۲)
۲۔ مولانا قاری محمد طیب : " " "
۳۔ قاری فیوض الرحمٰن : سوانح مولانا محمد رسول خان ہزارویؒ۔
۴۔ " " " : سوانح احمد علی اور ان کے خلفاء۔
۵۔ " " " : سوانح مولانا مفتی بشیر احمد اور ان کے خلفاء۔
۶۔ " " " : سوانح حضرت حاجی امداد اللہؒ اور ان کے خلفاء۔
۷۔ " " " : سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور ان کے خلفاء۔
۸۔ " " " : مشاہیر علماء (۱-۵) و علمائے ہزارہ
۹۔ " " " : مولانا خلیل احمد اور ان کے خلفاء۔
۱۰۔ " " " : مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء۔
۱۱۔ " " " : مولانا غلام محمد دین پوری اور ان کے خلفاء۔
۱۲۔ " " " : مولانا عبد الغفور مدنی اور ان کے خلفاء۔
۱۳۔ " " " : سوانح قاری محمد عبد المالک صدیقی۔
۱۴۔ عزیز الکلام : سوانح شاہ عبد العزیز دعاجو۔
۱۵۔ محمد عیسیٰ : چشمۂ حیات۔
۱۶۔ فیض احمد : تذکرۂ ضمیر۔
۱۷۔ انوار الحسن شیرکوٹیؒ : تجلیات عثمانی۔
۱۸۔ " " " : حیات عثمانی۔
۱۹۔ " " " : انوار عثمانی۔
۲۰۔ سید اصغر حسین : حیات شیخ الہندؒ
۲۱۔ مولانا حسین احمد : نقش حیات۔
۲۲۔ سراج الیقین : شمس العارفین۔
۲۳۔ محمد شاہد : علمائے مظاہر۔
۲۴۔ حاجی جنیدی : ید بیضاء۔

۲۵۔ مولانا زاہد الحسینی : تذکرۃ المفسرین۔

۲۶۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی : پرانے چراغ۔

۲۷۔ " " " : تذکرہ شاہ فضل رحمٰن۔

۲۸۔ " " " : حیات عبدالحی۔

۲۹۔ " " " : کاروانِ زندگی۔

۳۰۔ " " " : مولانا عبدالقادر رائے پوری۔

۳۱۔ مولانا محمد ثانی " " : حیات خلیل۔

۳۲۔ " " " : سوانح مولانا محمد یوسف دہلوی۔

۳۳۔ مولانا انظر شاہ : نقش دوام۔

۳۴۔ انوار الحسن شیرکوٹی : انوار قاسمی۔

۳۵۔ محمد میاں : تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ۔

۳۶۔ اختر راہی : علمائے پنجاب۔

۳۷۔ اکبر شاہ بخاری : اکابر علما۔

۳۸۔ عبدالرشید ارشد : بیس بڑے مسلمان۔

۳۹۔ مولانا محمد انوری : انوارِ انوری۔

۴۰۔ مولانا محمد یوسف البنوری : نفحۃ العنبر (عربی)

۴۱۔ مولانا عبدالحی الحسنی : نزہۃ الخواطر ج ۸ (عربی)

۴۲۔ ڈاکٹر محمد یونس : عربی علوم و فنون کے ممتاز علماء۔

۴۳۔ صدر الدین : جامعۃ مظاہر علوم (عربی)

۴۴۔ امیر شاہ : تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (۱-۲)

۴۵۔ اشتیاق حسین : سوانح مولانا محمد یحییٰ ہزاروی۔

۴۶۔ عبدالصمد صارم : سیرت انور شاہ کشمیری۔

۴۷۔ ڈاکٹر اقبال حسن : مولانا محمود حسن۔

۴۸۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی : تذکرۃ الرشید۔

۴۹۔ " " " : تذکرۃ الخلیل۔

۵۰۔ مولانا عبدالرحیم کلاچوی : لباب المعارف۔
۵۱۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی : حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفاء۔
۵۲۔ مولانا محمد ثانی حسنی : القصیدۃ المدحیہ، لاہور۔
۵۳۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی : سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔
۵۴۔ ڈاکٹر محمد حسین : حیاتِ طیبہ۔
۵۵۔ " " " : شاہ سلیمان تونسوی اور اُن کے خلفاء۔
۵۶۔ شمس تبریز : صدر یار جنگ۔
۵۷۔ مولانا محمد اشرف : سلوک سلیمانی۔
۵۸۔ سید نفیس الحسینی : احوال و آثار۔
۵۹۔ سید اصغر حسین : کلیاتِ شیخ الہند۔
۶۰۔ " " " : مکتوباتِ " " "
۶۱۔ مفتی عبدالشکور : تذکرۃ المتین۔
۶۲۔ مولانا بہار الحق قاسمی : تذکرہ اسلاف۔
۶۳۔ محبوب الٰہی : تحفۂ سعدیہ۔
۶۴۔ ڈاکٹر غلام حسین : تاریخ اورنٹیل کالج لاہور۔
۶۵۔ نعیم آسی : مولانا مفتی محمود۔
۶۶۔ " " " : مکاتیب سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔
۶۷۔ قاری نور الحق ایڈووکیٹ : قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔
۶۸۔ قاری فیوض الرحمٰن : مشاہیر علماء سرحد (۱۸۵۷ء - ۱۹۷۷ء)
۶۹۔ " " " : (جمع و تقدیم) دیوان نقیب احمد (عربی)
۷۰۔ " " " : پاک و ہند کے عربی شعراء۔
۷۱۔ مولانا عبدالحمید سواتی : فیوضات حسینی، لاہور ۱۹۶۹ء۔
۷۲۔ مولانا مشتاق احمد : انوار العاشقین، حیدر آباد دکن ۱۹۱۴ء۔
۷۳۔ نظامی بدایونی : قاموس المشاہیر۔
۷۴۔ مولوی محمد شاہد : مفاوضاتِ رشیدیہ، سہارنپور۔